اللہ اکبر

پارسی علوم اور اسلام

مسلمانوں نے پارسیوں اور اُن کے علوم کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

فارسی پر عربی کے اثرات واحسانات

از

محمد مسلم ایم۔ اے، ایم۔ او۔ ایل

پروفیسر سینٹ کولمباز کالج۔ ہزاری باغ (بہار)

قیمت فی جلد ۱۲ر

(کتبہ محمد اسحاق زریں رقم)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پارسی علوم اور اسلام

تصحیح الزام | کیانیوں اور ساسانیوں کی حکومت کے افسانے ان کی فتوحات جاہ وجلال، اور عیش وعشرت کے تے ضرب المثل چلے آتے ہیں جمشید کے جشن اُسکے تخت، جام، آئینہ، انگشتری کی داستانوں نے دربار سلیمانی کی کہانی دلوں سے بھلادی

فسانہا کہ ببازیچہ روزگار سرود　　کنوں بسند جمشید وتاج کے بستند

کیانیوں کی طاقت واقتدار اور تہذیب وتمدن پر عام ساسانیوں کی حالت کو قیاس کرکے یہ فیصلہ صادر کردیا جاتا ہے کہ ان کے پاس بھی علوم وفنون کا ایک عظیم الشان ذخیرہ ہوگا جسے فاتحین مابعد نے غارت کردیا ہوگا چنانچہ اسی ظن پر انقراض اسباب، اور اسکندر اعظم کے ساتھ فاتحین اسلام پر بھی غارتگری کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ اسی قیاس کی بنیاد پر بعض تذکرہ نویسوں نے پارسی علوم وفنون کی خیالی رفیع الشان عمارتیں کھڑی کرلی ہیں بعض مورخین نے مخصوص اغراض سے قصداً اس قسم کی غلط فہمی پھیلائی ہے۔

اس تخیل پردازی میں مورخین سیاسی اگر بانی نہیں تو شریک غالب کی حیثیت ضرور رکھتے ہیں ان کے اعجاز سیحی سے صرف ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا نہیں بلکہ

تمام تاریخ اسلام کا رنگ روپ کچھ سے کچھ ہو گیا - فارسی میں تاریخ ایران پر اگر کوئی سب سے کامل اور مبسوط تالیف ہے تو ایران کے انگریزی سفیر سر جان ملکم کی انگریزی تالیف کا فارسی ترجمہ ہے[1] ان کی زبان سے ذیل کا بیان جو در اصل مسلمانانِ ایران و عرب میں باہم غلط فہمی و منافرت کی کوشش کے سوا کچھ نہیں قابل غور ہے :-

ہر یک از مورخین کہ با صدر اسلام معاصر بودہ اند نوشتہ اند کہ تابعین پیغمبر عرب از پایداری و لجاجی کہ ایرانیاں در دفاع ملک و مذہب خویش نمودند چناں در خشم بودند کہ چوں دست یافتند ہر چیز کہ اسباب تقویت ملت دانستند عرضہ دمار و ہلاکت ساختند شہرہا با خاک یکساں و آتشکدہ ہا بآتش سوختہ شد - و موبدانے را کہ مواظب امور و مباشر خدمات معابد و ہیاکل بودند از تیغ گذرانیدند و کتب فضلائے امت عجم از آنکہ علوم مطلقا یا تاریخ یا کتب شریعت پاک آنکہ ایں گونہ کتب در تصرف ایشاں بود در معرض تلف در آمدند عرب متعصب در آں ایام بجز قرآں نہ کتابے میدانست نہ میخواست بداند - موبداں را مجوس می نامیدند ایشاں را ساحرے دانستند و کتب ایشاں را کتب سحرے پنداشتند و از حال کتب یونان و روم میتواں قیاس کرد کہ کتب ممالکے مثل ایران چہ قدر از آں طوفان باقی خواہد ماند[2]

نفس بحث کا اصولی جواب تو آگے چل کر دیا جائیگا - یہاں ناظرین صرف اس قدر ملاحظہ کر لیں کہ موبدان را مجوس مے نامیدند مجوس آخر کون سی گالی ہے؟

---

[1] گورنر بمبئی کے حکم سے مرزا حیرت ایرانی نے ۱۸۴۶ء میں اس کا فارسی ترجمہ کیا تاکہ اتمام کے بعد ایران بھیجا جائے ملاحظہ ہو دیباچہ مترجم مطبوعہ بمبئی ۱۸۷۶ء الخ

[2] تاریخ ایران سرجان ملکم مطبوعہ بمبئی ۱۲۸۹ھ صفحہ نمبر ۱۶۵

یہ یونانی لفظ میگس سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں دانا۔ اول اول کلدان کے حکیموں اور منجموں کا لقب تھا اس کے بعد مشرق کے حکما۔ و فیلسوف کے لئے مستعمل ہونے لگا اور قدیم پارسیوں کے پیشواؤں کے لئے ایک تعظیمی خطاب قرار پا گیا۔ ملکم صاحب کا اسے گالی بنا دینا کس نیت سے ہے محتاج تشریح نہیں

(۲) پارسی ادبیات کی غارتگری کا الزام عرب فاتحین پر زیادہ تر مجمل اور غیر معین طور پر لگایا گیا ہے۔ اگر کسی شخص کے معین نام اور وقت کا حوالہ دیا گیا ہے تو وہ عبداللہ بن طاہر ہے جو کوئی بادشاہ نہیں، خود مختار حکمران نہیں، خلیفہ نہیں، بلکہ خلیفہ المعتصم عباسی کی طرف سے خراسان کا گورنر تھا۔ اور سنہ ۲۳۰ھ میں وفات پائی۔ دولت شاہ سمرقندی جو اس روایت کا ذمہ دار ہے لکھتا ہے۔

نیز حکایت کنند کہ امیر عبداللہ بن طاہر کہ بروزگار خلفائے عباسی امیر خراسان بود روزے در نیشاپور نشستہ بود شخصے کتابے آورد و بہ تحفہ پیش او بنہاد و پرسید کہ این چہ کتاب است؟ گفت این قصہ وامق و عذرا است و خوب حکایتے است کہ حکما بنام نوشیرواں جمع کردہ اند۔ امیر فرمود کہ ما مردم قرآن خوانیم بغیر از قرآن و حدیث پیغمبر چیزے نمی خواہیم ما را ازیں نوع کتابے در کار نیست و ایں کتاب تالیف مغان است و پیش ما مردود است فرمود تا آں کتاب را در آب انداختند و حکم کرد کہ در قلمرو من ہر جا کہ از تصانیف عجم و مغان کتابے باشد

جہلہ را بسوزانند۔ ازیں جہت تا روزگار آل ساسان شعار عجم را ندیدہ اند و اگر احیاناً نیز شعر گفتہ باشند مدوّن نکردہ اند"

(۳) رضا علی خاں بھی مجمع الفصحا میں جو ناصر الدین قاچار کے عہد میں ۱۸۶۲ء میں تصنیف ہوئی سرجان ملکم اور دولت شاہ کی پیاکی بنا پر اشعار عجم کے اتلاف کو نہایت دلیری سے عربوں سے منسوب کرتا ہے۔

"و ظاہر است کہ اشعار قدیم شعرائے عجم بسبب غلبہ عرب از میان رفتہ چنانکہ مشہور است کہ تمام کتب و تواریخ عجمیہ عرب سوختند......... از کتب قدیم چیزے برجا نگذاشتند، الا قلیلے کہ پنہاں داشتند چوں مردم را قدغن بلیغ نمودند قاعدہ سخن فارسی و شعر متروک شد۔"

(۴) منشی محمد حسین آزاد مرحوم کی نوحہ خوانی کے لئے اتنی چھیڑ کافی تھی۔ انہوں نے حسب عادت بلا حوالہ و سند عرب فاتحین کی وحشت کا ماتم کیا ہے۔ ان کا توسن خامہ ہوائی میدانوں میں یوں طرارے بھرتا ہے۔

"ریگستان عرب سے ایک آندھی اٹھی اس کے پیچھے گرجتا بادل بجلی چمکاتا تھا ...... خلاصہ یہ کہ ساسانی سلطنت کا اقبال شمشیر اسلام کی قربانی ہو گیا۔ ...... عالیشان آتش خانے ڈھاتے گئے۔ دینی و دنیاوی کتابیں ورق ورق اڑیں اور جلکر خاک ورخاک ہو گئیں۔ اس وقت میں پھر سے پارسی بھاگی وہاں سے بھاگے اور بیابانوں کے ساتھ ایمانوں کو بھی بچالائے ......"

تحقیق کی آنکھیں روتی ہیں اس گئے وقت پر جو کسی طرح نہیں آسکتا۔۔۔۔
ان خانہ بربادوں کے ہاں بھی تاریخ، اخلاق، افسانے، نظم و نثر سب کچھ ہونگے۔ کیا ان کی عبارتوں کا بھی یہی سیدھا سادہ بے تکلف رنگ تھا۔ افسوس افسوس آج اس عہد کو کہاں سے لائیں اور جو کچھ فنا ہو گیا کیوں کر پائیں کہ دوستوں کو دکھائیں اور کچھ فائدہ اٹھائیں،،

آئیے ہم اس بھیانک منظر کو تاریخ کی روشنی میں دیکھ کر فیصلہ کریں آیا اس کی کوئی اصلیت ہے یا محض انشا پردازانہ طلسم بندی اس بحث کی تنقیح کے لئے ہم نے ذیل کے چار رسائل کا استقصا کیا ہے۔

(۱) قدیم ایرانی تہذیب اور زبان ہمیشہ سے سامی تہذیب و زبان کے زیر اثر رہی ہے خود ایرانی زبان نہایت ناقص تھی اور علوم کی متحمل نہ تھی

(۲) اسلام کی فتح ایران کے وقت ایران دولت علم سے تہی دست تھا۔

(۳) پہلوی اور فارسی کے قدیم ترین نمونے اور ان کی کیفیت و کمیت۔

(۴) عربوں نے اہل ایران اور ان کے علم و مذہب کے ساتھ وحشی کیا برتاؤ کیا ہے خود پارسی اور غیر مسلم مورخین کی معتبر شہادتیں۔

تہذیب و زبان ایران پر سامی اثر

ایران قدیم نسلاً ہند و یورپ سے خواہ کچھ ہی واسطہ رکھتا ہو مگر اس کی تہذیب و تمدن کا رشتہ ناطہ عہد قبل التاریخ سے دور جدید تک سامی[۱] اقوام کے ساتھ رہا ہے۔ بالخصوص علوم و فنون میں تو ہمیشہ اسے سامی دماغ ہی کا منت کش رہنا پڑا ہے حضرت مسیح سے آٹھ سو سال پیشتر سے جب اشوریہ کلدان اور بابل کی تہذیب و تمدن کے نقارے دور دراز ممالک تک گونج رہے تھے، ایران ان کے اثر سے محفوظ نہ رہا۔ اشوری کتبوں سے ہمیں پتہ ملتا ہے کہ آٹھ سو سال قبل مسیح سے چھ سو سال قبل مسیح تک تقریباً دو صدی ایران پر ملوک ماد (اہل میڈیا) کے دور میں اہل اشوریہ کا قبضہ رہا ہے۔ پھر پیشدادی دور میں ایران غلامی کا جوا گردن سے اتار کر نہ صرف آزاد ہو گیا بلکہ سنہ ۵۳۹ قبل مسیح تک بابل پر قابض ہو گیا۔ اور سلطنت کلدانی اور شام و فلسطین اس کے وسیع مفتوحات میں داخل ہو گئے۔ لہذا ایران دو صدی تک بحیثیت مفتوح اور شاید اسی قدر یا کم بحیثیت فاتح سامی تہذیب و تمدن سے متاثر ہوتا رہا۔ اسی لئے پروفیسر براؤن صاحب پارسی قدیم کی تحقیق اور پہلوی کی تحصیل کیلئے سنسکرت کے مقابلہ میں عربی دانی کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

۱؎ سامی اقوام میں اہل اشوریہ کلدانی، یہودی، اہل فینیشیا، ارامی، عرب، اہل اتھوپیا (شمالی افریقہ) داخل ہیں

"یہ بات یاد رکھنی کی ہے کہ تاریخ ایران کے ہر دور میں ایران پر سامی اثر بہت زیادہ رہا ہے۔ آخری ساسانی اور اسلامی دور میں عربی اثر، اس سے پیشتر کے ساسانی اور آخری اشکانی دور میں ارامی اور اس سے پہلے اشوری" ۱؎

ارامی تحریر قدیم ایرانی کتبے ہمیں صاف بتاتے ہیں کہ ماہ ملکوں اور پیشدادیوں ہی کے عہد سے ارامی زبان اور تحریر ارامی علاقوں سے باہر بھی تمام دستاویزوں اور سکوں میں مستعمل تھی۔ مشہور مستشرق پروفیسر نولدیکی کا بیان ہے کہ ارامی زبان مشرق میں، وادی فرات پر اور ارمنی اور کردی پہاڑی علاقوں میں، دجلہ کے جنوب و مغرب میں بولی جاتی تھی۔ بلکہ وہ سارا صوبہ جہاں **ارساسیس** اشکانی اول (۲۵۰ قبل مسیح) اور ساسانی بادشاہوں کا پایۂ تخت تھا **ارامی ملک** کہلاتا تھا۔ اہل ایران عمدہ طرز تحریر سے ناآشنا تھے اس لئے ان کو ارامی تحریر اختیار کر لینے میں قریب قریب ویسی ہی سہولت تھی جیسی بعد کو فارسی میں عربی رسم الخط کو داخل ہونے سے حاصل ہوئی۔

میخی تحریر ایران میں **میخی** ۲؎ **طرز تحریر** نینوی، فرات اور دجلہ کے راستے پہنچا۔ جہاں یہ طرز ایک مدت تک جاری رہا۔ ماہ ملکوں (میڈیوں) اور پیشدادیوں کے عہد کی میخی تحریر نہایت ناقص اور متشابہ الاشکال ہے۔

۱؎ لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد اول نمبر باب ۲ ۲؎ یہ تحریر کیلوں کی سی لمبی نوک سے مشابہ ہوتی ہے اس لئے اُسے میخی کہتے ہیں۔

اس کے لغات کی مجموعی تعداد چار سو سے زیادہ نہیں جہاں جہاں ان ناقص
تحریروں سکتبے دیکھے گئے ہیں ان پر غالباً اسی دقت کی وجہ سے دو تین اور
زبانوں میں ترجمے بھی پائے جاتے ہیں جن میں سے ایک سامی زبان ہوتی
ہے۔ دوسری کا پتہ اب تک نہیں چلا بعض اوقات وہ دوسری زبان یونانی
ہوتی ہے۔ دوسری دقت میخی تحریر میں یہ تھی کہ یہ چٹانوں اور پتلی پتلی
اینٹوں پر کھودنے ہی کے لئے موزوں تھی۔ جب باریک چمڑے بجائے کاغذ
کے ایجاد ہوئے تو ان پر یہ تحریر آسانی سے لکھی نہ جا سکتی تھی۔

پہلوی تحریر آخرداراے اول کے عہد میں پہلوی یعنی پارتھیا
والوں (ارشکانیوں) کا طرزِ تحریر اختیار کیا گیا۔ مگر اس کا استعمال صرف
حکومت کے لئے مخصوص تھا۔ اس تخصیص کا نتیجہ بقول پروفیسر اسمتھ یہ ہوا کہ
"پارسی زبان سلطنت کے ساتھ زوال پذیر ہو گئی۔ اردشیر سوم (متوفی ۳۳۸
قبل مسیح) کے کتبے سے فارسی زبان ایک نہایت میلے کچیلے لباس میں لاوارث
سی دکھائی دیتی ہے۔ دوسری طرف پارسی کے دوش بدوش ارامی زبان۔
مدت دراز سے تجارتی اور مشترک زبان کی حیثیت سے تمام ملک میں پھیل
گئی تھی اور خوب پھل پھول رہی تھی خصوصاً حکومت ایران کے نصف مغربی
کے تمام وثیقے (قانون)، اور سرکاری دستاویزیں ارامی زبان ہی
میں لکھی جاتی تھیں۔ یہاں کے صوبہ دار اور فوجدار عموماً اپنے سکے اسی

زبان میں ڈھالتے تھے۔

پانچ صدیوں کی خاموشی

اسکندر کے فتح ایران کے بعد سے تقریباً ساڑھے پانچسو سال تک ہمیں زبان پارسی کی کوئی تحریر نہیں ملتی جھوٹ یا سچ اس فاتح پر یہی الزام چلا آتا ہے کہ اس نے شرفاء و علماء ایران کو قتل کر دیا، شہر مسمار کرائے، تمام کتابوں کو آگ لگا دی، اس کے ساتھ ہی موسیٰ بن عیسیٰ الکسروی خدائے نامہ سے ناقل ہے کہ سکندر اپنے مطلب کی کتب نجوم، طب، فلسفہ، زراعت اسکندریہ اٹھوا لے گیا اور یونانی و قبطی زبانوں میں ان کے ترجمے کرائے۔ اس کے بعد ایران علم سے خالی ہو گیا، اور جلوس اردشیر تک تمام عہد اشکانی یا ملوک الطوائف میں ایران میں کوئی ایسا شخص پیدا نہ ہوا جو علم کو زندہ کرتا یا حکمت کی کوئی بات بھی سمجھ سکتا۔[1]

یونانی اسکندر کے زمانہ میں مصنفین یونان نے جو کچھ چھوڑا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکندر نے ایرانی مردوں کو اپنی فوج میں بھرتی کر لیا اور ایرانی عورتوں کو اپنے سپاہیوں، امیروں اور تمام یونانی باشندوں کے تصرف میں دیکر ایران کی قوم کو یونان میں جذب کر لیا تھا۔ یونانی عصمت فروش عورتیں بھی کثرت سے ایران میں آئیں بھرتی ہوئیں ان سے اولادیں ہوئیں اور یہ اولاد ایران کی

[1] تاریخ سنی ملوک الارض حمزہ اصفہانی مطبوعہ برلن ۱۳۴۰ھ صفحات ۱۸-۳۰-۳۲

[2] ملاحظہ ہو مضمون پروفیسر [illegible] مندرجہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا تحت پرشیا، پروفیسر [illegible] کی تحقیق [illegible]

ہستی من حیث القوم باقی چھوڑی۔ نہ ان کا خون ایرانی رہا تھا۔ نہ ہڈی، نہ دماغ۔ پھر وہ زبان کیونکر خالص ایرانی باقی رہتی جو زمانۂ حکمرانی میں ناقص رہی تھی۔

مذہبی کتاب کھو بیٹھے

معلوم ہوتا ہے کہ اشوریہ کے براہ راست اثر کے زائل ہوتے ہی ایران جہل کی تاریکی میں مبتلا ہو گیا۔ اہل مشرق کو مذہب دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز رہا ہے مگر ایرانی اپنی مذہبی کتاب کی حفاظت بھی نہ کر سکے اور بہت جلد اوستھا کی زبان سے ناآشنا ہو گئے۔ محققین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ساری اوستھا زرتشت کا کلام نہیں۔ بعض تو یہاں تک قائل ہیں کہ اوستھا میں ایک لفظ بھی زرتشت کا نہیں یہ تو شاید مبالغہ ہو مگر اتنا مسلّم ہے کہ یہ ایک مصنف یا ایک عہد کا کلام نہیں بلکہ جرمن مستشرق گیلڈنر کی تحقیق کے مطابق عہد شاپور دوم یعنی ۳۷۹ء تک اس میں اضافے ہوتے رہے ہیں۔ اس میں صرف ایک مختصر حصہ گاتھا جو کچھ مناجاتوں کا مجموعہ ہے اغلباً زرتشت ہی کا کلام ہے باقی الحاق۔

پروفیسر براؤن اپنی معرکۃ الآرا تاریخ علوم ایران میں اوستھا کی قدامت پر بحث کرتے ہوئے اس آرین و سامی تعصب کی نسبت ایک حیرت انگیز حقیقت کو منکشف کرتے ہیں۔

"ایک دن میں نے موسیو ہلیوی[1] سے اوستھا کے تذکرے کے موقع پر سوال کیا کہ حضرت اتنے فضلا جو اوستھا کی اتنی قدامت کے مدعی ہیں اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں دے سکتے؟"

انہوں نے جواب دیا "ہاں سب سے بڑی اور کافی دلیل سامی اقوام سے اُن کی نفرت اور آریہ نژادی پر اُن کا فخر و مباہات ہے۔ یہودیوں کو آریہ نسل پر کسی قسم کی اولیت یا فضیلت دینے سے وہ اس قدر کارہ ہیں کہ زرتشت سے چھٹکارے کو وہ موسیٰ پر خاک ڈالتے ہیں۔ ایک ہاتھ سے وہ صحف بنی اسرائیل کو دباتے دوسرے ہاتھ سے وہ اوستھا کو اچھالتے ہیں" اگر یہ صحیح ہو تو نہایت حسرت کا مقام ہے کہ منحوس جذبہ نسلی جو دنیا میں بے شمار جرائم کا موجب رہ چکا ہے اُس رفیع منزل کو بھی سالم نہ رہنے دے جہاں ان شہوات رذیلہ کو کوئی دخل نہ ہونا تھا ان تعصب نسلی رکھنے والے مسیحی یا لامذہب مصنفوں سے زیادہ قابل تاسف ہمارے وہ مسلمان اہل قلم ہیں جو اپنی نسلی عصبیت کے جوش میں اپنے مذہب کی روایات تاریخی پر دروغ تہمت لگاتے اور جھوٹے جذبہ نسلی پر سچی حرمت دینی کو قربان کرنے میں تامل نہیں کرتے الغرض ہمارے پاس ایران کے عہد عتیق کی تنہا یادگار اوستھا کی ایسی ہے جس میں صرف ایک باب گاتھا ہے

---

[1] جوزف ہلیوی وہ فرانسیسی مستشرق ہے جو ۱۸۷۰ء میں ایک یہودی کے بھیس میں صنعاء کے مشرق مقام جوف میں جا پہنچا جہاں سنہ ۲۴ قبل مسیح سے لیکر اس وقت تک کسی یورپی کے قدم نہیں پہنچے تھے۔ بے شمار خطرات شدید و مصائب تحصیل کے بعد یہ تقریباً سات سو حمیری کتبوں کی نقلیں اڑا لایا جن سے نہایت قیمتی معلومات تاریخی حاصل ہوئیں

مگر ہم تمام الحاقات مابعد کو بھی اوستا میں شامل سمجھیں تو جو لٹریچر ہمارے پیش نظر ہوتا ہے وہ ایک قوم کی دماغی ترقی کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہونا چاہیئے۔ افسوس ہے کہ ہم بلکہ اکثر پارسی حضرات بھی اوستا کو اصل زبان میں نہیں پڑھ سکتے لہذا پروفیسر براون صاحب کی شہادت پر اکتفا کرتے ہیں۔

"تاریخی حیثیت سے یا زرتشت کے عقائد کا مرقع اور قدیم مذہب کی یادگار ہونے کے لحاظ سے یہ کیسی ہی کار آمد کتاب ہو مگر نہ تو یہ خوشگوار ہے نہ دلکش۔ میں اپنی نسبت تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ ایک طرف قرآن کو جوں جوں آگے پڑھتا جاتا ہوں لطف بڑھتا جاتا ہے اور شوق سے اُس کا مطالعہ کرتا اور اس کے مدعا کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں، دوسری طرف اوستا کا مطالعہ بدمزگی اور تنفّص پیدا کرتا ہے اور یہ کیفیت مزید مطالعہ کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے۔ کچھ لوگ تحصیل زبان، تحقیق مذاہب، دریافت آثار قدیمہ کی غرض سے، اور بعض لوگ الہامی کتاب سمجھکر بھی اسے پڑھ لیا کریں گے مگر مجھے تو یقین نہیں کہ اس کا ترجمہ خواہ کیسا ہی دلچسپ کیا جائے معمولی طبیعت کے کتب بین جو کتابیں دلچسپی کے لئے پڑھا کرتے ہیں، اسے شروع سے آخر تک پڑھنے کی زحمت گوارا کریں گے"

دور کہاں جائیے خود اوستا پر ایمان رکھنے والے مجوسی تھوڑے

ہی عرصہ میں اوستھا کے سمجھنے سے عاجز نظر آنے لگے۔ نظام الملک
طوسی سیاست نامہ میں مزدک کی بحث میں کہتا ہے "مزدک
گفت مرا فرستادہ اند تا دین زردشت تازہ گردانم کہ خلق سخن زند
واوستا فراموش کردہ اند ...... موبدان گفتند ...... در
زند واوستا سخنان است کہ ہر سخن دہ معنی دارد و ہر موبدے و دانائے
را درو قولے و تعبیرے بنیست[1]

اس کا سبب تاخت اسکندری کے علاوہ زیادہ تر ایرانی طرز
تحریر کا نقص اور اہل ایران کی علم سے بے نیازی تھا۔ عہد اسکندری
سے حکمت یونان کی جو کچھ روشنی ایران میں پہنچ گئی تھی وہ بھی بہت
جلد حکومت یونان کے زوال کے ساتھ زائل ہو گئی۔

نقص تحریر

بقول پروفیسر ایچے سنہ ۱۶۲ء تک
یونانی تہذیب و تمدن کا نشان ایران سے مٹ گیا اور اس کی جگہ پھر
آرامی نے لے لی۔ اسی زبان میں سکے ڈھالے جاتے تھے یہ ساسانی دور
تھا اس عہد میں اہل ایران اپنے طویل خواب جہالت سے کچھ بیدار ہوئے
پہلے انسان کو مذہب کی فکر ہوتی ہے اونہوں نے دیکھا کہ اوستھا
سمجھ میں نہیں آتی تو موبدوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان سے پہلوی میں

[1] صفحہ ۱۶۷ مطبوعہ پریس ۱۲

اوستھا کا ترجمہ اور شرح لکھوائی جسے زند کہتے ہیں بقول پروفیسر گیلڈنر ترجمہ اصل زبان سے ان کی ناواقفیت وجہالت کا پتہ دیتا ہے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد زند بھی اوستھا کی طرح چیستان بن گئی اور شرح ومتن میں کوئی فرق نہ رہا آخر زند کا ترجمہ جدید پہلوی میں کرنا پڑا جسے پاژند کہتے ہیں۔

جس پہلوی میں زند لکھی گئی ہے اور جس میں اردشیر کے کتبے پائے جاتے ہیں اس کی ایک عجیب وغریب خصوصیت یہ ہے کہ لکھتے کچھ ہیں اور پڑھتے کچھ ہیں تحریر میں کثرت سے ارامی الاصل الفاظ ملتے ہیں جو صرف اسم وفعل تک محدود نہیں بلکہ حروف، اسما اشارہ ضمائر و اعداد تک کو شامل ہیں۔ مگر پڑھنے والے اسے اور طرح پڑھتے تھے مثلاً **نقش رستم** میں **اردشیر بابکان** بانی خاندان ساسانی کا یہ کتبہ جو دو قسم کی پہلوی، کلدانی و ساسانی تراجم سمیت درج ہے۔

"پتکری **زنا** مزدیسن بگی ارتخشتر **ملکان** ملکا ایران منوچیتری من یزتان برا پاپکی ملکا

ترجمہ

شبیہ اوس مزداپرست دیوتا اردشیر شاہنشاہ **ایران** **دیوتاؤں** کی روحانی اصل رکھنے والے شاہ پاپک کے بیٹے کی۔

الفاظ خط کشیدہ ارامی ہیں۔ مگر پڑھنے والے زنا کو آن، ملکان ملکا کو شہنشاہ، من کو ارزا، بسرا کو پور اور ملکا کو شاہ پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح لحمہ کو نان، بسرہ کو گوشت، نفس کو خویش وخود، لک کو تو، لسنا کو اہا دما، ہنا کو ای (این) اب کو پت (پدر) پڑھتے تھے۔ ابن المقفع پہلوی میں ایسے الفاظ کی تعداد ایک ہزار بتاتا ہے، اور متشابہات کی مثال یوں دی ہے:

مثال ذالک انہ من اراد ان یکتب گوشت کتب بسرا و یقراہ گوشت علی ھذا المثال... واذا اراد ان یکتب نان کتب لحما و یقرءہ نان علی ھذا المثال وعلی ھذا کل شئ ارادوا ان یکتبوہ

مثلاً اگر گوشت لکھنا ہو تو لکھتے تھے بسرا (یوں ......) اور پڑھتے تھے گوشت اگر نان لکھنا ہو تو لکھتے تھے لحما (یوں لحم لسی ...) اور پڑھتے تھے نان غرض جو لکھنا ہوتا تھا اسی طرح لکھتے تھے

اس طرز کا نمونہ کسی قدر انگریزی تحریر میں مل سکتا ہے جیسے پونڈ کیلئے lb لکھتے ہیں جو لاطینی لفظ لبرا Libra کا مخفف ہے اور پڑھتے پونڈ ہیں، اسی طرح ڈینارلیس Denarius کا مخفف d لکھ کر پینس پڑھتے ہیں۔ یا مروجہ اردو سیاق کو لے لیجئے کہ عہ سہ الہ للعہ صہ صعہ تمام رقوم بلا استثنا عربی الفاظ کی مخفف صورتیں ہیں مگر پڑھتے اپنی زبان میں ہیں، انگریزی اردو میں تو

ایسی مثالیں بر سبیل استثنا ہیں مگر پہلوی میں انہی الفاظ کی بھرمار ہے۔

پانچ زبان اور سات رسم خط

ابن المقفع متوفی ۱۴۲ھ

جو مجوسی سے مسلمان ہوا تھا۔ پہلوی کا بہت بڑا عالم تھا اور بہت سی مجوسی کتابیں پہلوی سے عربی میں ترجمہ کیں۔ ایران کے متعلق علوم و فنون مذاہب و رسوم اور تمام معلومات تاریخی و علمی کے لئے اس شخص کا کلام سند مانا جاتا ہے۔ اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران میں پانچ مختلف زبانوں اور سات مختلف رسم خط کا خلط مبحث تھا اور ہر طبقہ کیلئے علیحدہ علیحدہ زبانیں مخصوص تھیں الفہرست ابن الندیم سے ہم ان کی تفصیل ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں

قال عبد اللہ بن المقفع لغات الفارسیة[1] عبد اللہ ابن المقفع کا بیان ہے کہ فارسی زبانیں

الفهلوية والدرية والفارسية والخوزية والسريانية فاما الفهلوية فمنسوب الى فهله اسم يقع على خمسة بلدان وهي اصفهان والري وهمدان وماه نهاوند واذربيجان واما الدرية فلغة مدن المدائن ... واما

یہ ہیں پہلوی جو پہلہ کی طرف منسوب ہو۔ یہ نام کا اطلاق پانچ شہروں، اصفہان رے ہمدان ماہ نہاوند اور آذربیجان پر ہوتا ہے دری مدائن کے شہروں کی زبان ہے... فارسی زبان میں موبد اور علماء وغیرہ کے قبیل کے لوگ کلام کرتے ہیں اور یہ اہل

[1] الفہرست ابن الندیم مطبوعہ لیپزگ صفحہ ۱۳-۱۴

الفارسية فيتكلم بها الموابذة والعلماء
وأشباههم وهي لغة أهل فارس
وأما الخوزية فبها كان يتكلم الملوك
والأشراف في الخلوة ومواضع اللعب
واللذة ومع الحاشية وأما السريانية
فكان يتكلم بها أهل السواد والمكاتبة
في نوع من اللغة بالسرياني فارسي ۔
وقال ابن المقفع للفرس سبعة أنواع
من الخطوط منها كتابة الدين تسمى
دين دفترية يكتبون بها الأوستاق
وهذا مثالها ...... وكتابة
أخرى يقال لها ويش دبيرية وفيها
۳۶۵ حرفاً يكتبون بها الفراسة
والزجر وخرير الماء وطنين الآذان
وإشارات العيون والإيماء والغمز
وما شاكل ذلك ولا يعلم لأحد
قلمها ولا في ابتداها الفرس من يكتب بها

فارس کی زبان ہے۔ خوزی سلاطین اور
رؤسا کی تنہائی اور عیش و جشن کی زبان تھی
سریانی میں غلام گفتگو کرتے تھے۔

ابن المقفع کہتا ہے کہ اہل فارس کے ہاں
سات تحریریں جاری تھیں ایک دینی رسم
خط جس میں اوستا کے تمام حصص لکھے جاتے
تھے اس کا نمونہ یہ ہے .... دوسری
ویش دبیریہ کہتے تھے یہ ۳۶۵ حرفوں پر
مشتمل تھی۔ یہ سحر شعبدہ فال اور رمز وغیرہ
لکھنے کیلئے مخصوص تھی۔ اس کا نمونہ میری
نظر سے نہیں گذرا۔ تیسری کتابت گشتگ میں
۲۸ حروف تھے دستاویزیں اور ...
اسی تحریر میں لکھے جاتے تھے شہروں

بها اليوم ...... وكتابة اخرى	کپڑوں، پردوں، فرشوں، سکوں پر
يقال لها الكستج وهى ثمانية وعشرون	بھی منقوش ہوتی تھی اس کا نمونہ یہ ہے
حرفا يكتب بها العهود والمورية	.... چوتھی کتابت نیم کستج تھی جس میں
والقطائع وبهذه الكتابة كانت	۲۰ حروف تھے طب و حکمت کے لئے
تنقش خواتيم الفرس وطرز ثيابهم	مخصوص تھی اسکا نمونہ یہ ہے ....
وفرشهم وسكة دنانيرهم ودراهمهم	پانچویں کتابت شاہ دبیریہ بادشاہوں
وكتابة اخرى يقال لها نيم كستج يكتب	کی گفتگو کے لئے مخصوص تھی اور تمام رعایا
بها الطب والحكمة وكتابة اخرى يقال	ملک کو ممنوع تھی تاکہ بادشاہوں
لها الشاه دبيريه وكانت الملوك	کے راز کھلنے نہ پائیں اسکا نمونہ میری نظر
الاعاجم يتكلمون بها فيما بينهم	سے نہیں گزرا .... چھٹی
دون العوام ويمتنع منها سائر اهل	تحریر نامہ دبیریہ کہلاتی تھی۔ یہ بے نقط
المملكة حذرا من ان يطلع على اسرار	تھی اس کے اکثر الفاظ سریانی ہیں جن کو
الملوك من ليس بملك ولم تقع الينا	جانتے تھے جو اہل بابل کی زبان تھی اور
وكتابة الرسائل على ما جرى	فارسی میں پڑھے جاتے تھے اس میں ۳۳
به اللسان وليس فيها نقط ويكتب	حروف تھے یہ رعایا کے لئے عام تھی اور
بعضها بلغة السريانية الاولة التى	نمونہ یہ ہے .... ساتویں تحریر
يتكلم بها اهل بابل ويقرء بالفارسية	راز سہریہ تھی جس میں سلاطین اپنے

وعدد حروفها ۳۳ يقال
لها نامه دبيريه وهام دبيريه وهي
لسائر اصناف المملكة خلا الملوك (فقط)
وهذا امثالها ......
وكتابة أُخرى يقال لها
راز سهريه كانت الملوك تكتب
بها الاسرار مع من يريدون
من سائر الامم وعدد
حروفها واصواتها اربعون
حرفا لكل واحد من
الحروف الاصوات صورة
معروفة ...... ولهم
كتابة اخرى يقال لها راس
سهريه يكتب بها المنطق و
الفلسفة وهي ۲۴ حرفا
وفيها نقط ولم تقع الينا [له]

راز کی باتیں لکھا کرتے تھے ہیں سکے حروف
اور آوازوں کی تعداد ۴۰ ہے ....
ان سات کے علاوہ ان کی ایک تحریر
تھی راس سہریہ جس میں منطق و فلسفہ
لکھے جاتے تھے اور ۲۴ حروف منقوط تھے
اس کا نمونہ میری نظر سے نہیں گذرا ...... [له]

(تم کلامہ)

اسی طرح حمزہ صفہانی کا بیان ہے
کہ مجوس کی تمام کتب تاریخ محرف وغیر
صحیح ہیں اس لیے کہ وہ ڈیڑھ سو برس کے
بعد ایک زبان سے دوسری زبان میں اور
ایک خط سے جو اعداد سے متشابہ تھا دوسرے
خط (پہلوی) میں نقل کی گئیں۔ اور اسی
کا نتیجہ تھا کہ ایک کتاب کے ترجمے مختلف
نظر آتے ہیں چنانچہ مجھے ایک خدا سے
نامہ کے آٹھ مختلف ترجمے ملے [ته]

له الفہرست ایضاً صفحہ ۱۳ سله سنی ملوک الارض حمزہ اصفہانی مطبوعہ برلن ۱۳۴۰ھ صفحہ ۹

خلاصہ یہ ہے کہ ایک ملک ایران کے مختلف علاقوں اور جدا جدا سوسائٹیوں میں علیحدہ علیحدہ مقاصد کے لئے الگ الگ پانچ زبانیں اور آٹھ رسم الخط جاری تھے اور یہی راز ہے اس عہد کے ایران کی قومی پراگندگی و تشتت اور علمی تہی دستی کا۔

اس ناقص تحریر کی دشواریاں خود ساسانی عہد میں محسوس ہوئیں یہی لوگ ژند کا ترجمہ پاژند کی صورت میں کرنا پڑا اور یہی سبب ہے ایران کے کتبوں میں پہلوی متن کے نیچے کئی کئی ترجمے پائے جاتے ہیں۔ واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایران نے فن تحریر ارامی سے سیکھا تو لیا مگر اس طرح ارامی الفاظ کے صرف نقوش اتار لیتے۔ اور ان کے معنی اپنی زبان میں سیکھ لیتے تھے ان کے مرادف الفاظ ان کی زبان میں ہوتے بھی ہوں گے تو ان کو لکھنا نہ آتا تھا۔ اسلئے بجنسہ ارامی الفاظ لکھتے اور پہلوی میں پڑھتے تھے۔ ایسی تحریر جسمیں دو سطر کتبہ بھی بغیر دو تین ترجموں کے پڑھا جانا متیقن نہ سمجھا گیا ہو، کسی لٹریچر کی حامل کیونکر ہو سکتی تھی؟ اس کو فنا ہونا تھا اور فنا ہو گئی۔ اسکے مٹانے کے لئے نہ عربوں کی تلوار کی ضرورت تھی۔ نہ عبداللہ بن طاہر کی آتش زنی و غرقابی کی۔ جس طور پر انہوں نے ارامی الفاظ پہلوی میں استعمال کئے ہیں ان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان کے صرف اشتقاق سے ناواقف

تھے کیونکہ وہ "تو" ضمیر حاضر مرفوع کے لئے "لک" ضمیر حاضر مجرور اور
"ما" (پہلوی اما) ضمیر متکلم مرفوع کے لئے "لنا" (عربی لنا) ضمیر متکلم
مجرور استعمال کرتے تھے۔ نوشتن یا بنشتن کیلئے وہ "کیتبون تن"
کہتے تھے۔ گویا کیتبون مادہ ہے جس میں تن علامت مصدری لگا کر مصدر
بنا لیا۔ اسی طرح فارسی میں رشتوں کے ناموں میں "ر" (پہلوی تر) مشترک
پایا۔ جیسے پدر (پہلوی پتر) برادر (پہلوی براتر)، دختر وغیرہ۔ انھوں
نے باپ کیلئے ارامی "اب" میں بھی "تر" لگا دیا اور "ابتر" یعنی پدر لکھنے لگے[1]
علی ہذا القیاس بہتیرے ارامی الفاظ کے طریق استعمال سے یہ قدرتی
نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ارامی لٹریچر سے جو یونانی علوم کا حامل تھا بالکل کورے تھے
فتح اسکندری سے ساڑھے پانچسو سال تک کسی ایرانی علمی تحریر کا پتہ یا
تہذیب و تمدن کا نشان نہ ملنا اور یہ حیرت انگیز تاریخی سناٹا زیادہ تر ایران
کے اس نقص زبان و تحریر ہی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

زبان کا اثر تہذیب و مذہب پر پروفیسر براؤن نے اس مسئلہ
پر بحث کرتے ہوئے نکتہ سنجی کی ہے:-

"کیانیوں کے سب سے پچھلے کتبوں کے مطالعہ سے ایک عجیب سوال

[1] ملاحظہ ہو مضمون پروفیسر نولڈیکی مندرجہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا بہ تحت "پہلوی" ۱۲۱۶

پیدا ہوتا ہے۔ کیا زبان کے زوال کو قوم کے زوال سے کوئی لطیف واسطہ ہے؟ انگریزی زبان کے فاضلوں کو میں نے کہتے سنا ہے کہ اینگلو سیکسن (قدیم انگریزی زبان) کا جنگ ہیسٹنگز (۱۰۶۶ء) سے پہلے ہی صحیح لکھا جانا موقوف ہو گیا تھا اور نارمن حملہ سے پہلے ہی حالت زوال میں تھی۔ قدیم پارسی زبان کا حال بھی یہی تھا چنانچہ کتبوں کی تحریر میں ہجوں تک کی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ زبان کے زوال کے ساتھ مذہب کے بگاڑ کے آثار بھی شروع ہو گئے۔ دارا کے کتبوں میں اہرمن خدائے واحد و قادر مطلق بتایا جاتا ہے مگر بعد کو وہ متھرا (مہر۔ سورج) اور اناہیتہ (ناہید۔ زہرہ) کے ساتھ جذب ہو گیا۔"

سامی اثر مذہب ایران پر ایران قدیم پر سامی اثرات صرف زبان تک محدود نہ تھے بلکہ دین زرتشتی کے غائر مطالعہ سے مغربی نکتہ پردازوں نے خود اوستھا، ژند اور پاژند میں سامی اصنام پرستوں کے عقائد کی آمیزش پائی ہے چنانچہ مہر یشت ۱۳ میں خدائے نور متھرا (مہر۔ سورج) کی جو تشریح ہے وہ عہد مسیحی میں بال سے ماخوذ بتائی جاتی ہے۔ اسی طرح خدائے آب اناہیتہ (ناہید۔ زہرہ) کو بھی جس کا بت اردشیر منمن نے نصب کر کے اسکی پرستش مجوسیوں میں جاری کر دی تھی۔ بابلی دیوی میلتا کی نقل کہا جاتا ہے۔[1] نہیں فضلا یورپ نے اہل ایران کی بت پرستی کی طرح الٰت

[1] ملاحظہ ہو ژند اوستھا از ڈاکٹر میچل صفحہ ۱۱۰ و ۸۰ الیبنر ڈاکٹر ہاگ صفحہ ۱۷۶ و ۲۰۳ و ۲۰۷ یسنا (اوستھا) باب ۳۵ و ۵۳

کی توحید پر بھی سامی ہی اثر تسلیم کیا ہے۔ آثار عجم کے مشہور ماہر مسٹر طامس نے ۱۸۷۵ء میں حاجی آباد کے تمام پہلوی کتبوں کو شائع کیا اور ان سے یہ مسئلہ ثابت کیا کہ اکثر ملوک ساسانی یہود و نصاریٰ کے رب پر ایمان رکھتے تھے۔

تیسری صدی عیسوی کے آغاز کا مشہور مدعی نبوت مانی جس کی تعلیم و عقائد دسویں صدی عیسوی کے وسط تک ایران میں علانیہ و خفیہ کام کرتے رہے ۲۱۵ء میں بابل میں پیدا ہوا جہاں اس کا باپ ہمدان سے جا بسا تھا اور بابل ہی میں اس نے پرورش پائی۔ بقول البیرونی یہ ایک شامی مسیحی راہب فادرون کا شاگرد تھا۔ مانی نے جس طرح اپنے مذہب کو مجوسی اور نصرانی ادیان سے اخذ کیا اسی طرح اپنا مخصوص رسم خط بھی جس میں اس کے صحیفے مرقوم ہیں سریانی اور فارسی سے استخراج کیا چنانچہ ابن الندیم کا بیان ہے۔ استخرج مانی منهما من المجوسية والنصرانية وكذلك القلم الذي يكتب به الديانات مستخرج من السرياني والفارسي ..... وهذا القلم يكتبون اناجيلهم وكتب شرائعهم[۱]

عربی اثر ادبیات و معاشرت ایران پر

آخری ساسانی دور میں بھی ایران عربی ادبیات کے اثر سے خالی نظر نہیں آتا بہرام گور (۴۳۰ – ۴۳۸ء) کو منذر فرمانروائے حیرہ نے فارسی، عربی، یونانی، زبانوں کی تعلیم دلوائی تھی۔ وہ عربی میں بے تکلف شعر کہتا تھا۔ محمد عوفی نے اس کا عربی دیوان شعر دیکھا تھا اور لباب الالباب میں اس کے چند شعر بھی نقل کئے ہیں اور کلام عرب کے تتبع میں

[۱] الفہرست مطبوعہ لیزگ صفحہ ۳۲۸۔

فارسی شعر کا موجد اسی کو قرار دیا ہے۔ ؎۱

بعض دفعہ عربی زبان اور معاشرت کا اثر عشق کے درجہ تک پہنچ جاتا تھا اور شان حکمرانی بھی اس تاثیر سے مانع نہ ہوتی تھی۔ عصر نبوی میں مملکت ایران کی طرف سے یمن کا عامل خرہ خسرو بالکل متعرب بن گیا تھا۔ عربی شعر و سخن کا چرچا اور مذاکرہ رکھتا۔ عربی طرز پر تعلیم حاصل کی۔ عربی معاشرت اختیار کرلی۔ یہاں تک کہ ایران سے اپنے تعلقات بھی منقطع کرلیے۔ آخر اسی لغزش کے جرم پر وہ معزول کیا گیا۔

ایران کا تلمذ شام و عراق سے پروفیسر براؤن جرمن محقق کارل بروکلمان سے ناقل ہیں کہ:-

"شام و عراق اسکندر اعظم ہی کے زمانے سے یونانی تہذیب کے زیر اثر رہے۔ پھر شام میں رومیوں اور بازنطینیوں کے اقتدار نے بھی اس تاثر کو جاری رکھا۔ اہل شام طبع زاد تصانیف کی طرف تو زیادہ مائل نہ تھے مگر اجنبی علوم و فنون پر حیرت انگیز طور سے حاوی ہو جاتے تھے چنانچہ شامی خانقاہیں ہپوکریٹیز اور گیلن وغیرہ تمام نامور مصنفین کے علوم حکمیہ کا مخزن تھیں۔

ساسانی عہد میں نوشیرواں نے انھیں شامیوں سے استفادہ کرکے ۵۵۰ء میں جندی شاپور میں علوم حکمت و طب کی درسگاہ کھولی تھی۔ یہ گویا یونانی و شامی اشجار کا ایک پیوند تھا جو عباسی دور تک بار آور رہا

علوم یونان کا تیسرا مرکز عراق کا شہر حران تھا جہاں کے باشندے مسیحی آبادی

؎۱ جلد ۱، صفحہ ۱۶

سے محصور رہنے کے باوجود اپنی قدیم سامی اصنام پرستی پر قائم رہے۔
ریاضی اور ہیئت میں یہ خاص مہارت رکھتے تھے زیادہ تر قدیم شامی اور
بابلی علوم کے حامل تھے، اور تازہ یونانی اثر بھی لیے جلا رہے بغیر نہ رہا۔
یہ تین ذرائع ہیں جن سے یونانی علوم کے ترجمے عربوں تک پہنچے۔
المنصور عباسی کے دربار میں تعلیم گاہ جندیشاپور کا ایک طبیب تھا جس کے
بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ عربی میں طب کی کتابیں ترجمہ کی تھیں۔
ہارون کے زمانے میں مشہور مترجم۔ یوحنا ابن ماسویہ خاص منزلت
رکھتا تھا یہ سب وہی حرانی عرب تھے ....
مگر جو ترقی علم و حکمت کی مامون کے زمانے میں ہوئی ہو اور اس کے
خلاف قریب کے عہد میں جو ترجمے ہوتے ہیں انہوں نے تمام سابق
کاموں کو ہیچ بنا دیا اور ہمارے پاس اب صرف وہی ترجمے رہ گئے ہیں"
اس عبارت سے ظاہر ہو کہ عربوں کو فتح اسلام کے بعد جو علم و فن
ہاتھ آیا وہ زیادہ تر ان کے سامی النسل بھائیوں ہی کے ذریعے سے۔ نہ کہ
ایرانیوں سے فتح اسکندری کے بعد تقریباً دس صدیوں تک ایک نوشیرواں
کے مدرسہ جندیشاپور کے سوا ایران میں کسی تعلیمی حرکت کا پتہ نہیں ملتا غالباً
یہاں تعلیم و تعلم ارامی زبان ہی کے واسطے سے جاری تھا پہلوی زبان ان
علوم کی متحمل نہ تھی اس مختلف تعلیم گاہ کا کوئی فیضان ایرانی دماغ پر تصنیف

وتالیف وترجمہ یا ایجاد واختراع کی صورت میں نظر نہیں آتا معلوم ہوتا ہے کہ ساسانیوں نے رومی اور عرب فاتحین کیطرح ابتدائے جوش فتوحات میں اور انتہائے غفلت تعیش میں علم وحکمت میں حصہ لینا کبھی گوارا نہ کیا۔ اور نشہ زمانہ مدرسۂ جندیشاپور اور مابعد ایران کے انحطاط کا دور ہے۔ اس تمدنی واخلاقی زوال کے زمانے میں ان سے کسب علم کی کیا توقع ہوسکتی ہے؟

علمی وروحانی تجلی برہمنوں اور قرون وسطی کے مسیحی پادریوں کی طرح علوم ایران موبدوں اور دوسرے مذہبی پیشواؤں کے طبقے میں محدود رہے۔ بقول پروفیسر براؤن "ساسانی حکومت کے زوال کے زمانہ تک موبدوں کی غفلت ورزی نے اکثر غیر مذہبی وعقلی علوم کے ساتھ اوستھا کے فلسفیانہ وحکیمانہ اجزا کو بھی دنیا سے مٹا دیا۔"

لہ اوستھا کے پچھلے حصوں سے قریب ترین رشتہ داروں (بھائی بہن، باپ بیٹی وغیرہ) کے درمیان مناکحت کا جواز ثابت ہے اور مجوسیوں کا اس پر عمل رہا ہے۔ شاہی خاندانوں میں یہ رسم خصوصیت کے ساتھ جاری تھی۔ چنانچہ خود پارسی روایات کے مطابق اردشیر بابکان کے باپ ساسان کے (جس سے ساسانی خاندان منسوب ہے) ایک بھائی بہن اردشیر اور ایک بہن جائے تھی۔ ان دونوں بھائی بہنوں کی آپس میں شادی ہوگئی جس سے دارا پیدا ہوا چھٹی اور نویں صدی عیسوی کے درمیان پارسی قاضی ومفتی ایسی شادیوں کی خاص ترغیب دیتے تھے۔ ملاحظہ ہو ڈاکٹر ہیگ کی کتاب "زند اوستھا و مذہب پارسیان" ۱۲۱۔

مذہبی اجزا کو ان کے بادشاہوں کے بخل نے کچھ کم نقصان نہ پہنچایا۔ یہ قبیح رسمِ اخفا خود زرتشت کے زمانہ سے لیکر نوشیرواں جیسے عاقل بادشاہ کے عہد تک نظر آتی ہے۔ طبری ناقل ہے کہ زرتشت نے ایک کتاب عجیب و غریب خط میں بارہ ہزار گائے کے چمڑوں پر لکھی ہوئی گشتاسپ بادشاہ وقت کے حضور میں پیش کی اور اس کے منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا بادشاہ نے اسے پایۂ تخت اصطخر میں محفوظ رکھوا دیا اور عام لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ممنوع قرار دیدیا۔ ابن حزم کتاب الملل والنحل میں ایک پہلوی کتاب ""خدائے نامہ"" کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ بادشاہ نوشیرواں نے شہر اردشیر خرہ کے سوا تمام شہروں میں مذہبی تعلیم روک دی تھی۔ اسی اخفا کی غرض سے مختلف طبقات ملک کے لئے مختلف رسمِ خط کے شیوع کا حال آپ ابن مقفع جیسے مستند فاضل و عاشق پہلویات کی زبان سے ابھی سن چکے ہیں[۵۱، ۵۲]۔

فیضان اسلام حضرت مسیح علیہ السلام سے تین چار صدی پیشتر ایرانیوں کو جاہ و جلال جرأت و بسالت فتح و ظفر تہذیب و تمدن سے انکار نہیں۔ آثار قدیمہ اور یونانی تحریریں جن میں زینوفن کی تحریر سب سے زیادہ صحیح ہے اس حقیقت پر دلالت کر رہی ہیں ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ عجمیوں نے اموی و عباسی خلافتوں میں علم کی خدمت اور ترویج و اشاعت میں عظیم الشان حصہ لیا ہے اعتراف کہ علوم عقلیہ کے

علاوہ خود علوم مذہبی

۵۱ نیز ملاحظہ ہو مسٹر مرتبے کے زبان کی کتاب ""اثرات ایران بر ادبیات مسلمانان""

۵۲ دوبارہ ملاحظہ ہو۔ صفحہ ۶۶ تا ۷۰

کی خدمت گذاری میں علمائے عجم عربوں سے بہت آگے بڑھ گئے تھے مگر صرف ان مقدمات کی بنا پر یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ اسلامی فتح ایران کے وقت اہل عجم کی گرہ میں زرِ علم پہلے سے موجود تھا۔

پارسی روایات کے مطابق اسکندر نے جب ایران فتح کیا تو مجوسیوں کی دینی کتابیں تلف کر دیں باقی کتب فلسفہ، نجوم، طب، زراعت وغیرہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اسکندریہ اور یونان کو اٹھوا لیگیا اس طرح ایران کی جو کچھ متاعِ علم تھی مرکزِ علم کو منتقل ہوگئی۔ پانچ صدیوں کی گھٹا ٹوپ تاریکی نے قدرۃً عجم کا دماغ کند بنا کر اسے وحشت و جہالت کی پستی میں گرا دیا اور علوم و فنون تو الگ رہے مذہب بھی بھول بھلا گئے۔ ساسانی عہد میں بعض اولو العزم بادشاہوں نے احیاء علوم کی کوشش کی مگر وہ نسبتاً ایسی حقیر ہے کہ مصر و یونان کے مقابلہ میں اس کا نام نہیں لیا جا سکتا مزمن جہالت کے علاوہ رسم خط کی دقت نے علوم پارسی کو پنپنے نہ دیا۔

مگر جس دن مالدار زبان عربی نے اپنے وسیع خزانے سے ان کو لغات دیئے اور لغات کا شایانِ شان خط مہیا کر دیا، ان کے دماغ کی مہر ٹوٹ گئی اور زبان چل پڑی خود قرآن شریف جو ایک عظیم الشان لٹریچر ہے اور عربی شاعری کے اعلیٰ نمونے ان کے سامنے آئے جیسا کہ محمد عوفی اپنے مشہور تذکرہ لباب الالباب میں لکھتا ہے:-

چوں آفتاب ملت حنیفی و دین محمدی سایہ بر دیار عجم انداخت لطیف طبعان فرس را با فضلاء عرب باتفاق محاورہ پدید آمد و از انوار فضائل ایشاں اقتباس کردند و بر اسالیب لغت عرب وقوف گرفتند و اشعار مطبوع ابدار حفظ کردند۔ بحور آں فرو رفتند و بر دقائق بحور و دوائر آں اطلاع یافتند .... و ہم بر آں منوال نساج فضائلے کہ نتائج طبع ایشاں بود بافتن گرفتند[1]۔"

عباسیوں کی قدردانی علم نے تمام اقوام کو صلائے عام دی تو شام و عراق کے یہود و نصاریٰ اور ہندی برہمن، بابلی مصری یونانی اور ہندی علوم کے خوان نعمت سروں پر لئے ہوئے حاضر ہوئے اور عباسی دسترخوان پر چن دیئے۔ عربوں نے اگلے ایرانیوں کی طرح شمشیر زنی اور حکمرانی کے ذوق و شوق میں اس سے پورا حظ نہ اٹھایا۔ مفتوح ایرانیوں کے لئے اپنی ہستی کو برقرار رکھنے اور عربوں کے دوش بدوش مسابقہ حیات میں ساتھ دینے کے لئے اس کے سوا کوئی صورت نہیں رہی تھی کہ وہ ملت اسلام کی (جو اب عرب و عجم کے مجموعے سے عبارت تھی) ذہنی خدمت اپنے

[1] جلد اول صفحہ ۲۰۔ یہ نایاب کتاب پروفیسر براؤن کی ہمت سے دو جلدوں میں لندن سے سنہ ۱۹۰۳ء اور سنہ ۱۹۰۶ء میں مع حواشی محمد عبدالوہاب قزوینی شائع ہوئی ہو آج دنیا میں یہ فارسی شعراء کا سب سے قدیم و معتبر اور بعد کے تمام تذکروں کا ماخذ ہو ۶۱۸ھ / ۱۲۲۱ء کے لگ بھگ تالیف ہوا۔

ذمہ لے لیں اس حوصلہ میں قدرت نے بھی ان کی یہ اعانت کی کہ عرب و عجم دو متضاد دماغوں اور قوموں کے اختلاط سے ایک ایسا قوام تیار کر دیا جس میں عرب کی عملیت اور عجم کی ذہانت مجتمع ہو گئی اسی نکتہ کو پروفیسر براؤن نے یوں ادا کیا ہے :-

"یہ فرض کر لینا کسی طرح صحیح نہیں کہ مسلمانوں کی فتح ایران کے بعد دو تین صدیاں ایران کی ذہنی تاریخ کا سادہ ورق تھیں اس کے برخلاف یہ نہایت عجیب اور بے نظیر دلچسپیوں کا دور گذرا ہے۔ عہد قدیم اور عہد جدید کے تداخل واقعات کی تشکیل اور خیالات کے باہمی تجاذب و اعتدال کا زمانہ تھا کسی معنی میں بھی یہ جمود یا موت کا زمانہ نہ تھا۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ سیاسی اعتبار سے کچھ مدت تک کے لئے ایران کی علیحدہ قومی ہستی رک گئی کیونکہ یہ اس عظیم الشان اسلامی سلطنت میں جذب ہو گیا جو جبل الطارق سے لیکر جیحون تک وسیع تھی، لیکن اقلیم دماغی میں اس نے بہت جلد وہ غلبہ حاصل کر لیا جس کا استحقاق اہل ایران کی قابلیت اور فطری جودت و ذکاوت نے اسے دے رکھا تھا۔"[1]

ہم کسی اور موقع[2] پر بتا چکے ہیں کہ اکثر اوقات سیاسی انقلاب

[1] تاریخ علوم ایران جلد ۱ مقالہ دوم کا آخر حصہ

[2] مضمون "سیاسی انقلابات کا اثر علوم ایران" مندرجہ "جامعہ" بابت جنوری گذشتہ صفحہ

ملک کے حق میں رحمت ثابت ہوتا ہے مختلف اقوام کا اختلاط دماغوں میں تازگی اور فرسودہ قوی میں زندگی بخشتا ہے چنانچہ ایران کا یہ انقلاب بھی اسی قسم کا تھا۔ ساسانی عہد تک ہم ایران میں کوئی قابل ذکر آثار علمیہ نہیں پاتے اہل ایران کا جوہر قابل ان کے دماغوں میں پڑا سوتا ہے یکایک فتح اسلام نے ان کے جوہر کو حرکت دیکر بیدار کر دیا انہوں نے عہد اسلام میں وہ ذہنی کارنامے دکہائے جن سے آجتک اکثر لوگوں کو یہ دہوکا ہو جاتا ہے کہ یہ صدیوں کی مشق دماغی کا نتیجہ ہیں مگر تاریخ اس قیاس کی تائید نہیں کرتی درحقیقت ظہور اسلام کے بعد ان کے حیرت انگیز علمی کارناموں کا راز اسی خارجی تحریک و اختلاط اور اس کے قدرتی اثرات میں مضمر ہے۔

ایران کا یہی اسلامی عہد وہ عہد ہے اور ایرانیوں کے یہی کارنامے وہ کارنامے ہیں جنپر وہ جسقدر چاہیں ناز کریں، مگر افسوس ہے کہ جدید ایرانی محبان وطن کے سب سے نامور اور محترم افراد بھی اپنی قومی ادبیات میں ایسے محسود روزگار اسلاف پر فخر کرنے کی بجائے افسانۂ کیانی و ساسانی کے خیالی تاج کے، مسند جم اور درفش کاویانی پر ناز کیا کرتے ہیں لہ۔

لہ ملاحظہ ہوں سیاحت نامہ ابراہیم بیگ مطبوعہ کلکتہ پورٹ صفحہ ۳ و ۴ و ۱۱۰ و ۱۳۰ ، اور قومی نظمیں جو پروفیسر براون نے صحافت و شاعری ایران جدید کے نام سے شائع کی ہیں۔

قدیم علوم فارسی کی ہیئت کذائی

شاعری

ایرانی شاعری کے آغاز کے متعلق بھی قیاس کے گھوڑے خوب دوڑائے گئے ہیں۔ مگر ہمارا یہی نظریہ شاعری پر بھی صادق آتا ہے۔ کافی لغات، پہلوی سے آسان تر رسم خط، عالمین علم کی صحبت قدردانی، نسلوں کا خلط ملط، ان سب نے مل ملاکر ان کے دماغ پر صیقل سی کردی۔ ابوالعباس مروزی کے قصیدہ (۱۹۳ھ) سے لیکر رودکی تک بڑھے چلو، صاف معلوم ہوگا کہ فارسی شاعری، بندش اور خیالات کو وہی ابتدائی مرحلے طے کرنا پڑے ہیں جو ہر زبان کو اول اول کرنا پڑتے ہیں۔ دولت شاہ سمرقندی نے قدیم فارسی میں شاعری کے کچھ نمونے پیش کئے ہیں جن سے اس کے وجود کا ثبوت دیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہیں:-

(۱) بہرام گور۔ (متوفی ۴۳۸ء) جس نے بقول عوفی عرب میں تربیت پائی تھی عربی میں شعر کہتا تھا اور فارسی عروض کا بانی ہے، ایک دفعہ شیر کا قادرانہ شکار کرکے فخریہ یہ مصرعہ بول اٹھا ع

منم آن پیل دمان و منم آن شیر یله

دلارام اس کی حاضر جواب محبوبہ نے برجستہ یہ مصرعہ لگا دیا ع

نام بہرام ترا و پدرت بوجبلہ

(۲) قصر شیریں کی دیوار پر عہد خسرو پرویز (متوفی ۶۲۸ء) کا یہ شعر کندہ پایا گیا تھا جو عضدالدولہ دیلمی تک موجود تھا

ہژبرا بگیہاں انوشہ بزی | جہاں را بدیدار توشہ بزی

لطف یہ ہے کہ مصرعۂ ثانی بعینہ شاہنامہ میں موجود ہے کیا فردوسی نے یہ مصرعہ قصر شیریں کے کھنڈروں سے اڑایا؟

(۳) پہلی صدی ہجری میں ابوحفص حکیم سغدی کا یہ شعر نقل کیا گیا ہے

آہوے کوہی در دشت چگونہ دودا | او ندارد یار بے یار چگونہ بودا

محققین یورپ ان روایات کی صحت میں بہت مشتبہ ہیں لیکن اگر واقعی یہ صحیح بھی ہوں تو ان کا وجود ہی ہمارے دعوے کو جو ہم ثابت کر رہا ہے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ یہ اشعار کسی مہذب قدیم

لہ عوفی نے دونوں مصرعے بہرام گور ہی کی طرف منسوب کیے ہیں اور شعر یوں نقل کیا ہے

منم آں شیر گلہ منم آں پیل یلہ | نام من بہرام گور و کنیتم بوجبلہ

دولت شاہ نے بہرام گور کے ساتھ اس کی محبوبہ کو بھی شریک کیا ہے اور اس شعر کو بیاد یار [illegible] کی حاشیہ آرائی و رنگ آمیزی جو تاریخ پر ستم ہے۔ دولت شاہ سمرقندی کا خاص مذاق معلوم ہوتا ہے۔ ثعالبی نے اپنی غرر اخبار ملوک الفرس کے صفحہ ۵۵۵ میں بھی بہرام گور ہی سے یوں نقل کیا ہے۔

منم آں شیر شلہ منم آں ببر یلہ | منم آں بہرام گور منم آں بوجبلہ

متاخرین کی اصلاحوں نے قدیم نمونوں کی تاریخی اہمیت اور بھی کم کر دی ہے۔

اور علم آشنا قوم کی تخئیل اور دماغی نشوونما کا نمونہ ہو سکتے ہیں یا دبستان سخن کے ابجد خواں کی مشق اول کا؟

(۴) سنہ ۱۹۳ھ میں المامون الرشید عباسی مرو میں داخل ہوا تو بقول عوفی عباس ایک خواجہ زادہ نے اس کی خدمت میں ایک فارسی قصیدہ پیش کیا تھا جس کے صرف چار شعر نقل کئے ہیں:-

اے رسانیدہ بدولت فرق خود تا فرقدین	گسترانیدہ بجود و فضل در عالم یدین
مر خلافت را تو شایستہ چو مردم دیدہ را	دین یزدان را تو بایستہ چو رخ را ہر دو عین
کس برین منوال پیش از من چنین شعری نگفت	مر زبان پارسی را ہست با این نوع بین
لیک ازان گفتم من این مدحت ترا تا این لغت	گیرد از مدح و ثنائے حضرت تو زیب و زین

فارسی زبان عہد غزنوی سے پہلے صنف قصیدہ ہی سے آشنا نہ تھی اس پر بندش کی یہ چستی ایک صدی کے بعد تک بھی کلام فارسی میں نظر نہیں آتی۔ ان وجوہ کی بنا پر روسی فاضل مستشرق موسیو کازیمرسکی ان اشعار کو بہت سے اور اشعار مرویہ کی طرح مشتبہ بتاتے ہیں اور پروفیسر براون بھی ان سے متفق ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ عربی قصائد کے تتبع میں اگر کسی طباع فاضل عجم نے کچھ شعر نظم کرتے ہوں تو چنداں تعجب نہیں۔ ہاں بندش کی چستی اور صفائی۔ تو اصلاح و تہذیب فارسی تذکرہ نویسوں کی عام خوبی آئی ہے۔ اصل صورت یقیناً کچھ اور ہوگی لیکن اگر ان کو موجودہ ہیئت

میں بھی معتبر تسلیم کر لیا جائے جب بھی ہمارا دعویٰ ثابت ہے۔ آخری دو شعروں میں شاعر خود اقرار کر رہا ہے کہ مجھ سے پہلے کسی نے زبانِ فارسی میں یوں شعر نہ کہے اس انداز سے فارسی زبان نا آشنا ہے میں نے آپ کی مدح اس لئے کی ہے کہ اس ذریعے سے اس زبان کی رونق ہو جائے۔

ان اشعار کے آگے خود عوفی کی حسبِ ذیل عبارت اس خیال کی مزید تائید کر رہی ہے

"امیر المومنین ہزار دینار درے صلت فرمود بہ مزید عنایت و ملاطفت مخصوص گردانید چوں فضلا آں بدیدند ہر کس طبیعت براو بگماشت۔ بعد ازو ہر کس شعر پارسی گفتند تا در نوبت آل طاہر و آل لیث شاعران بسیار برخاستند۔[۱]

یہی سلطانی قدر دانی کا اثر یہ ہوا کہ ہر شخص فارسی میں شعر گوئی کی کوشش کرنے لگا مگر آل طاہر اور آل لیث یعنی حنظلہ بادغیسی متوفی ۲۱۹ھ تک کسی کا فارسی شعر ہے

کلامِ عرب کا تتبع

مولانا شبلی مرحوم نے شعر العجم میں فارسی شعراء کی تقلید پر اور فارسی شاعری کی ابتدائی مشق کے نمونے پیش کیے ہیں اور فارسی شاعری پر عربی شاعری کے اثر کے متعلق نہایت دلچسپ اور لطیف بحث کی ہے ہم ذیل میں بتغیر ترتیب جا بجا سے منتخب عبارتیں نقل کرتے ہیں:[۲]

اول اول ایرانی شعراء عربی شاعری سامنے رکھ کر شعر کہتے تھے۔ مشق کی ابتداء یہ تھی کہ عربی اشعار کا ترجمہ لفظی کرتے تھے۔ آج بہت سے فارسی قطعے، فرد بلکہ قصیدے

[۱] لباب الالباب جلد اول صفحہ ۲۱

[۲] شعر العجم جلد چہارم صفحہ ۱۴۰ تا ۱۴۴

موجودہ ہیں جن کو عام لوگ ایران کا سرمایہ سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ عربی اشعار کے ترجمے ہیں۔ اسکے بعد سیف الدولہ کے مشہور قطعہ جس میں قوس قزح کی تشبیہ ہے۔ اور ابونواس کے مشہور قطعہ کلا مرا لليل بجوہ اشعار اور دوسرے عربی کلام کے فارسی تراجم کے نمونے دکھا کر بتایا ہے کہ اس پردہ میں سرقہ شروع ہو گیا۔ عنصری، اسدی، کسائی، غضائری کے ہاں بہت سے مضامین ہیں جو قطعاً عرب سے لئے ہیں۔ لیکن چونکہ لوگوں کی نظر کلام عرب پر نہیں ہے۔ اسلئے کسی نے سرقہ یا ترجمہ نہیں خیال کیا۔ مولانا نے اس قسم کے سرقات کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔

تقلید اس قدر گوارا ہوئی تھی کہ عربی قصائد کے ڈھانچے، ترتیب اور جزئیات تک کی ہو بہو نقل کی جاتی تھی "عربی قصائد کی تمہید میں اکثر ممدوح یا معشوق کے ملنے کے لئے سفر کرنے کا حال لکھتے ہیں۔ اور راستے کی سختی، پہاڑوں کی چڑھائی، گھوڑے کی جفاکشی اور گرم رفتاری کے ذکر سے اسے طول دیتے ہیں۔ فارسی میں بھی قدیم شعراء کا یہی انداز تھا جو آخر متروک ہو گیا ...... امرء القیس نے اپنا مشہور قصیدہ معلقہ اس تمہید سے شروع کیا ہے۔

قفا نبك من ذكرى حبيب ومنزل ٭ بسقط اللوى بين الدخول فحومل

ساتھیو ٹھہر جاؤ۔ یہ معشوق کا اجڑا ہوا گھر (ڈیرے کا نشان) ہے آؤ معشوق کی یاد میں دو آنسو بہالیں۔ یہ انداز اس قدر مقبول ہوا کہ ایک مدت تک شعراء قصیدہ کی ابتداء انہیں لفظوں سے کرتے تھے۔ فارسی شعراء نے بھی اس کی تقلید کی۔

لامعی جرجانی کہتا ہے۔

هست این یار و دیار، اگر نشاید فرود آرم جمل / پرسم رباب و عد را حال از رسوم و از طلل

جائے ہے بیم خراب، اندر میان او سحاب / آتش زده گاه و گه آب از قوت برق و هطل

در خانهٔ سعدی دمے آنکه از کف آن هر دمے / خوردم دو جام اندر دمے، این ز تسنیم آن ز بلا

بانگ پلنگ آید همی، فریاد رنگ آید همی / آشوب سگ آید همی چون گاه زلزال از قلل

گوئی کجا رفت آن صنم کو بود در عالم علم؟ / خورده دم عذرا به دم برده دل وامق بدل

پرداز دلم صبر و خرد چون بانگ بر آن ناقه زد / کاریم پیش آورده بد ما تولّی وارتحل

جس نے سبعہ معلقہ کا ایک قصیدہ بھی پڑھا ہوگا وہ ان فارسی قصیدوں میں صاف دیکھ لیگا کہ مضامین، طرز سخن، تشبیہات، استعارات یہاں تک کہ قوافی میں بھی جاہلی قصائد کی پوری پوری نقالی ہے۔

منوچہری دامغانی اور عمعق بخاری نے متعدد قصیدے اسطرح پر لکھے ہیں۔"

"شعراے عجم ہر موقع پر اعتراف کرتے ہیں کہ شاعری میں اُنکے استاد عرب ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ منوچہری اپنے ایک ہمعصر پر اپنی ترجیح ثابت کرتے ہوئے کہتا ہے:-

من بسے دیوان شعر تازیان دارم زبر / تو ندانی خواند الا هبی بصحنک فاصبحینا

سبعہ معلقہ کے ایک قصیدہ کے مطلع کی طرف اشارہ ہے۔ انوری کہتا ہے:-

شاعری دانی کدامی قوم کردند؟ آنکه بود / اول ایشان امرؤ القیس آخر ایشان بوفراس"

اس کے بعد منوچہری، انوری وغیرہ کے متعدد شعروں سے عربی تتبع کی مثالیں

دی ہیں، "تلمیحات اکثر عرب کی ہیں مثلاً عشق و عاشقی کے متعلق جتنے الفاظ ہیں۔ ایران میں ہزاروں پری پیکر معشوق گذرے لیکن شاعری نے لیلیٰ کو انتخاب کیا اور اس حد تک وسعت دی کہ معشوق اور لیلیٰ مرادف لفظ بن گئے لیلیٰ کے علاوہ کہیں کہیں اور کسی کا ذکر آجاتا ہے تو سلمیٰ، عذرا، دعد، رباب آتا ہے کہ یہ بھی عرب کے معشوق تھے اسی طرح عاشقی کا سلسلہ بہت مجنوں تک منتہی ہوتا ہے حسن کے لیے حضرت یوسف کام آتے ہیں۔ ازیں قبیل دیدۂ یعقوب، چاک پیراہن، چاہ کنعاں، خواب زلیخا، زندان یوسف، آدم، گندم، طوفان نوح، قربانی اسمٰعیل، بت شکنی خلیل، صبر ایوب، تخت سلیمان، بلقیس، ہدہد، ید بیضا، عصائے موسیٰ، وادی ایمن، شمع طور، اعجاز مسیح، شراب طہور، حور غلماں، ہنگامۂ محشر، صبح محشر، روح القدس وغیرہ اسلامی الفاظ بطور تلمیحات اس کثرت سے فارسی شاعری میں داخل ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔"

الغرض بچی طفل شعر نے عرب و ایرانی شاعری کی انگلی پکڑ کر چلنا سیکھا اور انکی گود میں جوان ہوا

بھاٹ یا شاعر قدیم پارسی شاعری کی تلاش میں باربد اور نکیسا دو بھاٹوں کا ذکر کیا گیا ہے عرب شاعر خالد بن فیاض نے جو اول صدی ہجری کے آخر میں گذرا ہے باربد کا افسانہ عربی میں لکھا ہے۔ باربد ایک بھاٹ تھا جو خسرو پرویز کو گا بجا کر خوش کیا کرتا تھا۔ یہ نہایت مغلوب الغضب بادشاہ تھا جب کوئی ناگوار بات اسکے کانوں تک پہنچانا ہوتی تو اہل دربار باربد کی موسیقی اور بول کے ذریعے آگاہ کرتے تھے چنانچہ بادشاہ کے شبدیز نام گھوڑے کی موت کی خبر باربد نے اسے

کس طرح گا کر دی ہو خالد نے عربی نظم میں اس کو بتایا ہے۔ مگر عربی میں اس قسم کے چٹکلے اور افسانے بہت ہیں جنکو تاریخی رنگ دیکر دلچسپ اور مقبول عام بنایا گیا ہے، عنترہ کے کارناموں کا پورا افسانہ، سیر شہر سبا کی کیفیت، الف لیلہ کی بعض تاریخ نما داستانیں۔ حماد الراویہ کی کہانیاں، یہاں تک کہ ہابیل کی موت پر حضرت آدم کا مرثیہ اور ابلیس کا جواب عربی نظم میں موجود ہیں جو بالکل قابل اعتنا نہیں۔ دوسرے اگر بارید کی اصلیت تسلیم بھی کیجاتے تو ایسے بول شعر نہ تھے چنانچہ عوفی کا بیان ہے

"نوائے خسروانی کہ آں را باربد در صوت آوردہ است بسیار است فاما از وزن شعر و قافیہ و مراعات نظائر آں دور است بداں سبب تعرض بیان آن کردہ نیامد"[1]

درحقیقت بھٹی اور شاعری دو چیزیں ہیں، الگ الگ۔ اور بھاٹوں کا وجود بجائے تہذیب تمدن کی علامت کے ہمیشہ اور ہر ملک کی تاریخ میں وحشت و بدویت کی نشانی رہا ہے۔ آجتک غیر مہذب پہاڑی علاقوں میں بھاٹ پائے جاتے ہیں جو قومی افسانے گایا کرتے ہیں۔ اسکاٹ لینڈ کے دور وحشت میں امیروں کے درباروں میں آزاد آوارہ گرد بھاٹ پہنچا کرتے تھے جنکی صحیح تصویر مشہور افسانہ نویس اور قومی شاعر سر والٹر سکاٹ نے اپنی تصانیف میں کھینچی ہے اسی طرح کوہ ساروں میں بھی بھاٹ تھے اور سرحدی پٹھانوں میں بھی موجود ہیں مگر ان کا وجود تمدن و تہذیب اور علم و ادب سے جو کچھ علاقہ رکھتا ہے محتاج بیان نہیں۔

[1] جلد ۱ صفحہ ۲۰ لباب الالباب

دولت شاہی روایت رہی دولت شاہ سمرقندی کی روایت جو آغاز مضمون میں نقل کی جا چکی ہے یعنی عبداللہ بن طاہر گورنر خراسان کی طرف فارسی لٹریچر کی غارت گری کی نسبت اور صاحب مجمع الفصحا کا ملکی طرح تسلیم کرکے عام عربوں کی طرف اس وحشت کو منسوب کرنا، اول تو یہ چھوتا مضمون صرف دولت شاہ کی فکر رسا کا نتیجہ ہے اور دولت شاہ کی اکثر روایتوں کی طرح بے سند، پھر محمد عوفی اپنے مستند و معتبر تذکرہ لباب الالباب میں جو خود مجمع الفصحا مؤلفہ رضا قلی خاں کا بھی ماخذ ہے "باب سوم در معنی اول کسے کہ شعر گفت، باب چہارم در معنی اول شعر پارسی کہ گفت" جیسے مستقل باب باندھ کر ان مسائل پر تفصیل سے بحث کرتا ہے آج عام تذکروں میں اولین اشعار پارسی کے جو نمونے منقول ہیں تقریباً سب کے سب اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔ مگر قصہ وامق و عذرا اور عبداللہ بن طاہر کا افسانہ کہیں نظر نہیں آتا۔ حالانکہ آل طاہر کا ذکر ان الفاظ میں موجود ہے:۔

"اگرچہ فیض انعام ایشاں عام بود فاما ایشاں را در پارسی ولغت دری اعتقاد نبود۔ دراں عصر شعراء دریں فن کمتر خوض کردند اما در عہد ہمایوں ایشاں شاعر شکر سخن جاست حنظلہ نام از بادغیس .... ؂۵"

اس کے بعد حنظلہ بادغیسی اور دوسرے اولین شعرائے فارس کے کلام جمع کیے ہیں اس مقام سے بہتر مثنوی وامق و عذرا کے ذکر کا اور کونسا موقع

؂۵ لباب الالباب جلد ۲ صفحہ ۲۔

ہو سکتا تھا۔ عنصری کی تصانیف کے ضمن میں اس مثنوی کا ذکر بھی آتا ہے۔ مگر وہاں بھی اس واقعہ کا کوئی نشان نہیں۔ پھر درایۃً یہ ناممکن محض معلوم ہوتا ہے کہ خراسان کے گورنر کے حکم سے ساری دنیا کا فارسی لٹریچر فنا ہو جائے۔ زیادہ سے زیادہ خراسان میں یہ حکم چل سکتا تھا، باقی ملک ایران میں عبداللہ کا کیا دخل ہو

فارسی اصطلاحات علمیہ

پروفیسر آزاد نے سخندان فارس میں پہلوی و فارسی قدیم کی اصطلاحات فلسفیہ کا کچھ نمونہ پیش کر کے پارسی قدیم کی مالداری کا ثبوت دیا ہے اور اپنے مخصوص ادیبانہ طرز میں اسکے فنا پر سینہ کوبی کی ہے مگر حسب عادت اپنا ماخذ بتایا نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ساری اصطلاحات پارسی جن پر ماتم کیا گیا ہے ظہور اسلام سے بہت بعد کی کوشش ہیں کیونکہ اوستھا اور اسکی شروح کے سوا فلسفہ وغیرہ پر فارسی قدیم یا پہلوی میں آج دنیا میں جو کچھ اجزاء موجود ہیں وہ چودہویں صدی عیسوی (۱۳۳۳ء) تک کے لکھے ہوتے ہیں

ایرانیوں کی حب وطنی نے انہیں ہمیشہ سے غیر مخلوط خالص پارسی کے شیوع کا متمنی اور ساعی رکھا ہے۔ یہ کوشش بے سود ہی عہد فردوسی سے لیکر آج تک وقتاً فوقتاً ہوتی رہی ہے۔

محمد صالح دربار شاہجہانی کا مصنف تھا اس نے اپنی ایک کتاب عمل صالح میں عربی اصطلاحات عروض کی جگہ خالص فارسی اصطلاحات گھڑی تھیں جن کا نمونہ یہ ہے۔

قصیدہ کے لئے چکامہ۔ تخلص کیلئے داغ

غزل	کیلئے	چامہ[1]	نثر	کیلئے	پراگندہ
وزن شعر	"	دم	نظم	"	پیوستہ[2]
ردیف	"	پساوند			

اخبار روزنامہ ایران سلطانی نمبر ۳۷ مورخہ ۱۳۲۱ ھجری میں لغات پارسی ابوالمظفر صادق فراہانی کے نام سے ایک منظوم فرہنگ شائع ہوئی تھی چند لفظ یہ ہیں :-

پاک	کے لئے	یزدان	صراط	کے لئے	چینود
خدا	"	ایزد	بہشت (باغ)	"	مینو
حق	"	ہدہ	افعال مسنون	"	چخشب
نبی	"	وخشور	معجز	"	فرہ
شرح	"	آئین	معجزہ	"	فرہود
نظام	"	دهناد	فاضل دانا	"	فرجاد
پوشش	"	گرزہاں	کعبہ	"	آباد
کرسی	"	زیرگہ	قرآن	"	نوی
ثواب	"	کرفہ	مسجد الاقصیٰ	"	گنگ دژ ہوخت

[1] فردوسی نے چامہ گیت کے معنوں میں استعمال کیا ہے

[2] فردوسی نے پیوستہ کسی نہ کسی صفت کیساتھ لاکر اسے نظم کے مفہوم میں مجازاً استعمال کیا ہے جیسے گویا پیوستہ۔ حدیث پیوستہ۔

عذاب کیپلے بزہ

ایسے ہی نو عمر و نوخیز الفاظ کی بنیاد پر ایک مدعی تحقیق پادری صاحب نے اسلام کے تمام عقائد معاد کو زرتشتی دینیات سے ماخوذ ثابت کیا ہے۔ [1]

پہلوی ادبیات باقیہ پر ایک نظر

اخیر ساسانی عہد کی پہلوی ادبیات بھی جو کچھ آج موجود ہیں ان کی قدر و قیمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بجائے تاریخ و مذہب و تمدن ایران پر روشنی ڈالنے کے وہ اسے تاریک سے تاریک تر بنا رہی ہیں ایک طرف اوستھا اور ژند کیومرث کو حضرت آدم قرار دیتی ہیں دوسری طرف دساتیر [2] کا بیان ہے کہ کیومرث کے قبل ایک پیغمبر مہاباد گذرا ہے جس سے موجودہ نوع انسان کی نسل چلی ہے انہیں قدیم مجوسیوں کا یہ فلسفہ بھی درج ہے کہ زمانہ بہت دوروں میں منقسم ہے۔ ہر دور سے میں ایک خلقت پیدا ہوئی رہی اور پھر تدریجاً فنا ہو گئی۔ آخر میں صرف ایک مرد و عورت بچ رہے جن سے آئندہ دورہ چلا و علیٰ ہذا القیاس مہاباد

[1] ینابیع الاسلام مطبوعہ ایران جسے سر ولیم میور نے ترجمہ کر کے خوب چمکایا اور اچھالا ہے اس کا نام دی سورسز آف اسلام رکھا ہے۔

[2] یہ اوستھا اور ژند پاژند سے بالکل الگ ایک قدیم کتاب ہے جو سنہ ۵۹۵ء میں عہد خسرو پرویز میں پہلوی میں ترجمہ ہوئی اس میں شاہان ایران کے نامے یا الہامات ہیں جس کے بیان کے مطابق ایران کے تمام شاہان پیشین خدا کا الہام تھے۔ زیادہ تر آفرینش عالم سے بحث کی گئی ہے جو اوستھا سے بالکل مختلف ہے

آخری دورے کا بابا آدم ہے جس نے تمدن کے سارے سامان ایجاد کئے اس کے زمانہ میں دنیا میں بہشت کا امن و عیش میسر تھا۔ مہاباد کے خاندان کے بعد ایک پیغمبر جی افرام نے عنان حکومت سنبھالی۔ اس خاندان کی جسے جیانیاں کہتے ہیں مدت حکومت ایک سپار سال بتائی گئی ہے جوان کے حساب سے ایک ہزار ملین یا دس کروڑ سال کے برابر ہے[1]! مورخین یونان پیشدادی یا ان سے پہلے خاندانوں کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔

شاہنامہ فردوسی کو آج ہم محض شاعرانہ افسانہ سمجھتے ہیں لیکن یہ مثنوی بھی بلحاظ واقعات زیادہ تر پہلوی تصنیف کارنامک رختشتر پاپکان (کارنامہ اردشیر بابکان) اور خدائے نامک کا چربہ ہے۔ آخر الذکر کتاب آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں ابن المقفع اور دوسرے فضلا کے پانچ چھ مختلف عربی تراجم کے ذریعہ سے دنیائے اسلام میں مشتہر ہو چکی تھی اگرچہ اب اصل پہلوی متن نایاب ہے۔ یہ غالباً یزدگرد سوم کے عہد کی تالیف تھی اسی طرح کارنامہ اردشیر سنہ ۶۰۰ء کی تالیف بتایا جاتا ہے لہذا ان دونوں کتابوں کو پہلوی لٹریچر کا اعلیٰ نمونہ سمجھنا چاہیئے۔ کارنامہ اردشیر دستبرد زمانہ سے بچ رہا ہے جس کا جی چاہے کسی

---

[1] تاریخ ایران سر جان ملکم جلد اول باب دوم۔ تاریخ سنی ملوک الارض والانبیاء حمزہ اصفہانی مطبوعہ برلن ۱۸۴۴ء صفحہ ۱۰

ایک بحث پر اس کارنامہ اور شاہنامہ دونوں تصانیف کو پہلو بہ پہلو رکھ کر سر جان ملکم اور پروفیسر براؤن کی طرح مقابلہ کرے۔ ان دونوں کے بیان کے مطابق کیومرث کی طرف سے اس کے حریف کے مقابلے میں شیر اور بھیڑئے بھی لڑے اور اس کے دشمنوں کا نام ونشان جہاں سے مٹادیا جمشید، ضحاک، فریدون، زال ورستم، ہفتخواں، سکندر و دارا کی مشہور رہے تک کہانیوں کی عام شہرت محتاج تکرار نہیں۔

تاریخی قصوں میں رنگ آمیزی جائز ہو تو ہو مگر آج تک کسی نے خود سنین و تواریخ میں مبالغہ جائز نہیں رکھا شاہان شاہنامہ کی مدت پادشاہی قابل دید ہے۔

(۱) شاہان پیشدادی		(۲) شاہان کیانی	
جملہ مدت سلطنت ۱۳۴۱ سال		جملہ مدت سلطنت ۷۳۲ سال	
سلطنت جمشید	۱۰۰۰ "	سلطنت کیقباد	۱۰۰ "
" فریدون	۵۰۰ "	" کیکاؤس	۱۵۰ "
" منوچہر	۱۲۰ "	" لہراسپ	۱۲۰ "
		" گشتاسپ	۱۲۰ "

بہمن اردشیر درازدست ۱۱۰ سال   "   مدت سلطنت

طبری، ابومعشر، حمزہ اصفہانی اور دوسرے مسلم مورخین نے بھی پہلوی ماخذوں ہی سے کم وبیش یہی مدتیں نقل کی ہیں۔ ثعالبی نے اپنی تاریخ میں زال وسیمرغ کی داستان نقل کرکے معذرت کی ہے کہ "میں ان افسانوں سے بری الذمہ ہوں اگر تاریخ ایران میں یہ داستانیں یوں ہی علی التواتر بیان ہوتی چلی نہ آتیں تو میں ان کا ذکر نہ کرتا اس زمانہ کی عجیب عجیب باتیں منقول ہیں۔ مثلاً ہزار ہزار سال کی عمریں اور جن وشیاطین کا بادشاہوں کے تابع ہونا وغیرہ" اسی طرح البیرونی جو خود ایرانی نژاد اور محب وطن ہے ہفتخوان رستم کے ذکر کے بعد لکھتا ہے۔ ولھم فی التاریخ اعمار الملوک وافاعیلھم المشہورۃ عنھم ما یستنفر عن استماعہ القلوب و تمجہ الآذان ولا تقبلہ العقول[1] یعنی ایرانیوں کی تاریخ میں بادشاہوں کی عمریں اور ان کے کارنامے ایسے درج ہیں جن کے سننے سے دل اکتاتا ہے۔ نہ کان ان کو گوارا کرتے ہیں نہ عقل قبول کرتی ہے حمزہ اصفہانی اپنی کتاب سنی ملوک الارض والانبیاء

(۱) آثار الباقیہ مطبوعہ لیپزگ صفحہ ۱۰۰

ہیں صاف کہتا ہے کہ اُن کی تمام تاریخی کتابیں محرف اور غیر صحیح ہیں ...... مجبوراً میں نے یہاں بادشاہوں کے صرف یہی حالات مختصراً جمع کر دیئے ہیں جو ان کتابوں میں موجود ہیں۔ باقی فضول باتیں ان کی تمام کتابوں میں بھری پڑی ہیں ان کے خطوط اور وصیت نامے وغیرہ جو کتب تاریخ میں مذکور ہیں ان سے ہم نے اپنی کتاب کو پاک رکھا ہے[1]

یونانی و پارسی تواریخ میں تناقض ایران قدیم سے یونان کے تعلقات بہت گہرے رہے ہیں۔ صدیوں حاکم و محکوم کا ذ سلسلہ رہا ہے۔ اسکندر ایران کے علوم دین کو تلف کر کے باقی تمام علوم و فنون یونان اٹھوا لے گیا۔ اور یونانی و قبطی زبانوں میں ان کے ترجمے کرائے اس سے ظاہر ہے کہ اس عہد کی تاریخ ایران کے لئے دنیا میں بہتر سے بہتر مواد و مواقع یونان ہی کو حاصل تھے چنانچہ قدیم مورخین یونان نے اپنے عصر کے ایران کے جو تاریخی حالات چھوڑے ہیں وہ ہر اعتبار سے ایرانی بیانات سے زیادہ معتبر سمجھے جانے کے لائق ہیں مگر وہ بالاکثر ان پارسی روایات سے متناقض ہیں۔ ثعالبی کا بیان ہے کہ ہمارے پاس تاریخ ایران کے متعلق دو ماخذ ہیں۔ ایرانی و یونانی۔ ہم جانتے ہیں کہ دونوں

[1] سنی ملوک الارض حمزہ صفہانی مطبوعہ برلن ۱۳۴۰ء صفحہ ۴۴ [2] ایضاً

میں اختلاف ہو لیکن صاحب البیت ادریٰ بما فیہ ۔ گھر کا حال گھر والا ہی خوب جانتا ہے ۔ اس لئے ہم نے یونانیوں کے مقابلے میں ایرانیوں کا زیادہ اعتبار کیا لیکن صاحب البیت سینکڑوں اور ہزاروں سال پیشتر کے اسلاف کی مدحیانہ داستانیں غلو اور اغراق کے ساتھ بیان کر رہا ہو تو اس کے اس بزرگ ہمسایہ کی شہادت بے شبہ کہیں زیادہ معتبر قرار دیجائیگی جو اسکے اسلاف کا ہمعصر یا قریب العصر ہو ۔

غرض واقعیت کے اعتبار سے پارسی تاریخوں اور کلیلہ دمنہ جیسی کہانیوں چنداں فرق نہیں معلوم ہوتا ۔

مجوس اور اسلام

یہ مقالہ، دراصل "پارسی علوم اور اسلام" کا تتمہ ہو۔ گذشتہ ابواب میں زبان پہلوی کی ناداری ونقائص، قدیم علوم پارسی کی کیفیت وکمیت اور ان پر عرب کی لسانی وادبی تاثرات واحسانات سے بحث کی گئی تھی سطور ذیل میں عہد اسلام میں (ساتویں صدی ہجری تک) پہلوی او بیات کی موجودگی اور مسلمانوں کے ہاتھ سے ان کی خدمت وحفاظت بذریعہ تراجم واقتباس ثابت کی گئی ہو، اور مجوسیوں پر اسلام کے درد انگیز مظالم کی حقیقت کے انکشاف پر خاتمہ کیا گیا ہو۔

پارسی علوم ساتویں صدی ہجری تک

قدیم پارسی لٹریچر جو کچھ بھی تھا اور جیسا کچھ بھی تھا ساتویں صدی ہجری تک ایران میں موجود تھا جس کا ثبوت ہمیں عربی تاریخوں سے ملتا ہو۔ مصنفین اسلام نے ان سے پورا پورا استفادہ کیا ہو۔ ساتویں صدی کے تاتاری فتنوں میں جہاں سینکڑوں جلیل القدر فضلا اور ان کی بے بہا تصانیف تلف ہو گئیں اگر ان کے ساتھ پارسی کی گنتی کی دس بیس کتابیں بھی ناپید ہو گئیں تو ان کا کیا شمار۔ مگر یہ کہنا بالکل مبالغہ نہ ہوگا کہ پارسی میں جو کچھ سرمایہ قابل اعتنا تھے عربی میں منتقل ہو گئے۔ فتح ایران سے ایک صدی کے اندر اندر فارسی کی اکثر کتابیں عربی میں ترجمہ ہو چکی تھیں

تراجم

ہشام بن عبدالملک اموی نے جو ۱۰۵ھ میں تخت نشین ہوا اپنے منشی جبلہ بن سالم سے جنگ رستم و اسفندیار، داستان بہرام چوبین اور فارسی کی بہت سی کتابیں ترجمہ کرائیں۔ اس نے ۱۱۳ھ میں ایک تاریخ عجم کا ترجمہ بھی کرایا جو ایران کی مفصل و مبسوط مصور تاریخ تھی اور مسعودی نے اسے ۳۰۳ھ میں شہر اصطخر میں دیکھا تھا[1]

خلافت عباسیہ کے مترجم بہرام بن مردان شاہ نے خدای نامہ جو شاہنامہ کا ایک اہم ماخذ ہے حاصل کرنا چاہا تو اسے اس کتاب کے بیس نسخے مل گئے۔ عربی میں اس کتاب کے آٹھ مختلف ترجمے حمزہ اصفہانی کی نظر سے گذرے ہیں[2]۔ عبداللہ بن المقفع مشہور فاضل و مترجم کتب پہلوی نے بھی اس کتاب کا اور آئین نامہ، سکیران، اور بہت سی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ خدای نامہ کے پانچ ترجمے پانچ شخصوں نے کیے[3]۔ تاریخ دولت ساسانی کا ترجمہ ہشام بن قاسم اصفہانی نے کیا اور نیشاپور کے مشہور موبد بہرام بن مردان شاہ سے اس کی اصلاح و تصحیح کرائی۔

دیگر کتب پارسی

ان عربی ترجموں کے علاوہ ہمیں عرب مصنفین کی کتابوں سے بہتیری قدیم پارسی کتابوں کا پتہ ملتا ہے۔ اشکانی دور (۳۰۰ سنہ قبل مسیح لغایت سنہ ۲۲۶ء) تک کا سرمایۂ علم حمزہ اصفہانی کے زمانہ تک یعنی ۳۵۰ھ تک ایران میں موجود تھا۔ وہ کہتا ہے کہ عہد ملوک الطوائف

۱؎ کتاب الاشراف مسعودی مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۰۶ ۲؎ سنی ملوک الارض حمزہ اصفہانی صفحہ ۹ و ۱۹ ۳؎ ایضاً صفحات ۹ - ۱۵ - آثار الباقیہ مطبوعہ لیپزک صفحہ ۹۹۔

داشکانیاں) میں کتاب مزدک، کتاب سندباد، کتاب برناس، کتاب شیماس وغیرہ لکھی گئیں جو آج لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں اور ان کا شمار ستر کے قریب پہنچتا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں ففی ایامہم وضعت الکتب التی ھی فی ایدی الناس مثل کتاب مزدك وکتاب سندباد وکتاب برسناس وکتاب شیماس وما اشبہہا من الکتب التی تبلغ عددھا قریبا من سبعین کتابا[1] جب اشکانیوں کے عہد قحط الرجال وطوائف الملوکی کی ستر کتابیں چوتھی صدی ہجری میں موجود تھیں تو اس سے قریب تر عہد ساسانی کے علوم کیوں غارت ہونے لگے تھے

دوسرے پارسی اجزاء و رسائل جو عہد اسلام میں موجود تھے اور اسلامی کتابوں میں مذکور ہیں ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

شہرزاد و پرویز (اردشیر کے خود نوشت وقائع) کارنامۂ نوشیرواں، مزدک نامہ، بہرام و نرسی نامہ، کتاب التاج، کارنامۂ اردشیر بابکان (شاہنامہ کا دوسرا اہم تر ماخذ)، جاماسپ نامہ، آئین بہمن، داراب نامہ، دانش افزا سے نوشیروانی مولفہ بزرگ مہر (بزرجمہر) باستان نامہ، انوشور نامہ، خرد نامہ، بقول صاحب مجمع الفصحاء "فردوسی آثار و افعال ملوک عجم را از اں نامہا بدست آوردہ"

---

[1] سنی ملوک الارض صفحہ ۳۰۔ اس دعوے کا ذمہ دار حمزہ اصفہانی ہے۔ تمام مورخین متفق ہیں کہ اس تاریک عہد میں کوئی علمی حرکت ظاہر نہیں ہوئی۔

پارسی ادبیات کی اس لمبی فہرست سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ سب عہد ساسانی کا سرمایہ تھیں۔ معدودے چند کے سوا جن کی تصریح پچھلے اوراق میں کی جاچکی ہو اکثر کتابیں عہد اسلام کی تالیفات ہیں۔ اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اسلام کی عالم افروز روشنی سے مجوس بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ ایک طرف نومسلم ایرانی عربی تصنیفات میں مصروف ہوئے تو دوسری طرف غیر مسلم ایرانی پہلوی جدید میں تالیفات کی طرف متوجہ ہوئے۔ جن پر اسلام کا اثر نمایاں نظر آتا ہو۔ ان پارسی تصنیفات کا سلسلہ آٹھویں صدی ہجری تک جاری رہا۔

تاریخ ایران کا یہ ذخیرہ عہد غزنوی تک ایران میں عام تھا۔ مورخین اسلام طبری، مسعودی دینوری، یعقوبی، حمزۂ اصفہانی، ابو معشر، موسیٰ ابن عیسیٰ الکسروی اور ابن حوقل نے ان سے استفادہ کرکے ایران کی تاریخیں مرتب کیں۔ ان میں سے اکثر فردوسی کے وقت تک تصنیف ہوچکی تھیں۔ اور اس نے ان سے پورا پورا استفادہ کیا ہو اگرچہ اقرار نہیں کرتا[1]۔ خود سرجان ملکم جو فاتحین عرب پر ادبیات عجم کی وحشیانہ تباہی کا الزام عائد کرتے ہیں، شاید بھولے سے ایک جگہ

[1] اوراق ما سبق میں تفصیل گزر چکی اس مسئلہ پر شعر العجم حصہ دوم۔ اور زیادہ تر تاریخ علوم ایران پروفیسر براؤن جلد اول میں محققانہ بحث کی گئی ہو۔

فرماتے ہیں۔

"اجزائیکہ مضامین شاہنامہ ازاں گرفتہ شدہ است درزبان پہلوی بود ...... بعد از تالیف وترتیب شاہنامہ نسخہائے قدیم ہمہ بے اعتنائی ازمیان رفتہ است واگر ہم احیاناً حفظ شدہ باشد محتمل است کہ درخزانہ سلاطین غزنوی بودہ است، درایں صورت باید درفتنہ غوریاں کہ غزنین بیاد نہب وتاراج رفت ایں اجزا نیز ازدست رفتہ وضائع شدہ باشد[1]"

آپ نے دیکھ لیا کہ مسلمانوں نے پارسی ادبیات کی کیسی خدمت کی، کس طرح تراجم والتقاط واستفادہ سے ان کو محفوظ کیا جس کے بغیر شاید آج پارسی کی کتابوں کے نام سے بھی دنیا آشنا نہ ہوتی۔ اس حقیقت پر نظر کیجیے، خود معترض کے فقرۂ بالا کو پڑھیے، پھر فاتحین اسلام کے خلاف ان کی وہ ہنگامہ آرائی ملاحظہ فرمائیے جو تمہید میں مذکور ہوئی، اور فیصلہ کیجیے کہ سرجان ملکم کا یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے کہ جاہل فاتحین اسلام نے پارسیوں کے تمام علوم ملیامیٹ کردیئے۔

پارسی فاضل کی شہادت رہا یہ اعتراض کہ فاتحین عرب نے ایرانیوں کی پارسایانہ مدافعت سے طیش میں آکر

[1] تاریخ ایران جلد اول صفحہ ۶۵

ایران کے شہروں کو مسمار کردیا، آتشکدوں کو آگ لگادی پجاریوں اور موبدوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا اور پارسی ادبیات کے ساتھ ان کے قابضوں کو بھی مٹادیا۔ کیا خوب ہو کہ اس سنگین الزام کا جواب خود پارسی فاضل کی زبان قلم سے ادا ہو۔ کیونکہ

الفضل ما شهدت به الاعداء

مسٹر زریحان مسٹر زریحان موصوف الصدر نے ایک روسی مستشرق موسیو الوسٹرانٹزیو کی محققانہ روسی تصنیف سے انگریزی میں ایک ترجمہ شائع کیا ہے اور آخر میں اصل ماخذوں کا ترجمہ بھی ضم کردیا ہے۔ اس کا نام ہے ادبیات اسلام پر ایرانی اثرات

ایرانین انفلوئنس آن مسلم لٹریچر

ایک طرف سرجان ملکم اور پروفیسر آزاد اپنے "پارسی بھائیوں کے علوم و فنون اور تہذیب و تمدن ہی نہیں بلکہ ان کا ایمان اور مذہب عربوں کے ہاتھوں غارت ہونے پر رقت انگیز نوحہ خوانی میں مصروف نظر آتے ہیں، دوسری طرف اُن کے "پارسی بھائی" فرماتے ہیں:۔

غیر محققانہ طلاقت لسانی اور دل خوشکن متردی کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ عربوں نے تہذیب ایران کے دماغی اور جسمانی تمام شعبوں پر ایسی جھاڑو پھیر دی کہ مجوسیوں کے متعلق کوئی معتبر ذریعہ

معلومات باقی نہیں رہا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خود عربی ادبیات عربوں کے ہاتھوں ایرانی تہذیب و تمدن کے تباہ ہو جانے کی بے بنیاد کہانی کا ابطال کر رہی ہیں۔ تاریخ کے متفرق شعبوں اور جغرافیہ سائنس و فلسفہ پر عربی تصانیف ایرانی تہذیب و تمدن کی تاریخ کے لیے وسیع مواد بہم پہنچاتی ہیں۔"

یہ خود مسٹر زیمان کے مقدمہ یا دیباچہ کے الفاظ ہیں۔ کتاب کے حصہ[1] ترجمہ میں روسی مصنف سے نقل کرتے ہیں۔

ایرانیوں کی فاتحانہ حیثیت مفقود ہونے کے بعد بھی اُنکے پشینہ ایرانی مذہب کی وقعت و حرمت ایرانیوں اور عربوں کی نظر میں یکساں قائم رہی۔ اسی طرح دہقانوں کی جماعت کا رتبہ بھی علی حالہ برقرار رہا اور یہی دہقان ایرانی روایتوں کے حامل تھے۔ فتح ایران کے بعد سالہا سال تک عرب آثار صنادید عجم کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے رہے اور اپنی تصانیف میں وضاحت کے ساتھ اُن کے بیانات چھوڑ گئے ہیں۔ چنانچہ اصطخری و ابن حوقل جو پانچویں صدی کے آغاز کے مصنف ہیں، بتاتے ہیں کہ تمام مدت عہد اُموی میں

---

[1] اصل تصنیف یعنی متن کیا ہے؟ ۔ فرانسیسی اور پھر انگریزی میں ترجمے ہوئے ہیں انگریزی ترجمہ اب سے ایک صدی پیشتر سر ولیم اوسلی نے کیا۔

ایران کے اکثر مقامات کے باشندے کھلم کھلا اپنے دین (آتش پرستی) پر قائم تھے۔ باشندگان فارس کا حصہ غالب آتش پرست تھا اس صوبہ کا کوئی قریہ اور گاؤں تک آتشکدہ سے خالی نہ تھا۔ قدیم محلات، قلعے، آتشکدے تمام فارس میں پھیلے ہوئے تھے۔ مقدسی کا بیان ہے کہ شیراز کے آتش پرستوں کے لباس کے لیے کوئی امتیازی علامت نہ تھی اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں ان میں اور مسلمان رعایا میں کوئی فرق نہ تھا۔ بے شبہہ فتح اسلام کے بعد پارسیوں کی حالت نسبتہً اچھی تھی۔ کبھی کبھی کوئی چیز انھیں صدمہ پہنچاتی تھی تو وہ اور اور ادیان و مذاہب کا جوش تعصب اور سازشیں ہوتی تھیں۔ اگرچہ وقتاً فوقتاً امرائے دولت کے مدارج تک پہنچکر بڑے بڑے کارنامے انجام دے لیتے تھے مگر بالعموم یہ جماعت الگ تھلگ اور سیدھی سادی زندگی بسر کرنے کی عادی تھی۔ اسی سبب سے یہ اپنے خصائص قومی اور شعار قدیمی پر قائم رہ سکی۔ امتداد زمانہ کے بعد ان کی زندگی خراب سے خراب تر ہوتی گئی۔ ان میں سے ایک ٹولی بتدریج مغربی ہند میں جا رہی۔ تمام پارسی ادبیات میں صرف ایک مقام پر ہم ترک وطن کا ذکر پاتے ہیں مگر وہاں بھی اسقدر ابہام ہے کہ اصل واقعہ کا صرف

دستہ ساسانیان معلوم ہوتا ہے۔ اس کتاب کا نام قصۂ سنجان ہے اور سولھویں صدی عیسوی کے آخر کی تصنیف ہے۔ لہذا اسے قدیم گبروں کی ایک بقیہ گونج سمجھنا چاہیئے۔ بہرحال اس کتاب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے تسلط کے بعد پارسی ایک سو سال تک پہاڑی علاقوں میں بسر کرتے رہے۔ پھر ہرمز کو منتقل ہوکے وہاں سے گجرات میں جا بسے۔ پھر اور تارکان وطن بھی خراسان سے آملے۔ اس سے بھی اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ پارسیوں کا ترک وطن تدریجی تھا۔ ورنہ یکبارگی اجتماعی ترک وطن کی صورت میں عربی تصانیف سے کوئی سُراغ ملنا چاہیئے تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی مسلّم ہے کہ ان کی معتد بہ تعداد اپنے وطن ہی میں رہی جن کی اولاد ایران کے موجودہ گبر ہیں۔

طبرستان کے اسپہباد جو خاندان ساسانی کے فوجی گورنر تھے۔ فتح ایران کے بعد پوری ایک صدی سنہ ۷۶۱ء تک آزادانہ اپنے ملک میں خود مختار حکمرانوں کی حیثیت سے حکومت کرتے رہے۔ ان کے سکے آجتک موجود ہیں۔ پھر اس زمانہ میں پارسیوں کا ایک محفوظ پارسی حکومت کو چھوڑکر ہندوستان میں یکسانہ و مضطربانہ ہجرت کرنا قرین قیاس نہیں۔ مصنف موصوف اسی سلسلہ میں رقم طراز ہے:-

مندرجۂ بالا بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہو کہ عربوں کی فتح ایران کے بعد کئی صدیوں تک پارسی روایات ادبیہ اپنی قومی شکل میں موجود تھیں۔

عرب مصنفین قدیم فارسی کتابوں کی تلاش میں پارسی موبدون تک پہنچا کرتے، اور کامیاب ہوتے تھے .... محض انھی عرب مصنفین کی بدولت آج علمی سواد دنیا پر باقی رہ گئے ہیں جن میں سے بعض ساسانی عہد کی کتابوں کے (عربی) ترجمہ ہیں ....

ابن حوقل گیارھویں صدی کے وسط میں گذرا ہو۔ اس کا بیان ہو کہ آج فارس میں کوئی ضلع یا شہر بلکہ گاؤں نہیں جہاں آتشکدے نہ ہوں .... یہ بڑے خوشحال، تجارت پیشہ، اور جہازران ہیں .... بہ آفرید کے نام سے عہد اسلام میں زرتشتی مذہب سے ایک فرقہ قائم ہو گیا تھا۔ اس کے واقعات سے ہمیں اسبات کی نہایت زبردست دلیل ملتی ہو کہ اس زمانہ میں زرتشتیوں کو صرف اپنے مذہب پر قائم رہنے ہی کا اختیار نہ دیا گیا تھا بلکہ البیرونی کے بیان کے مطابق قدیم زرتشتی اور یہ جدید فرقہ دونوں خلفاء کے زیر سایہ دوش بدوش شاد و مطمئن زندگی بسر کرتے تھے۔

حمد اللہ مستوفی نزہۃ القلوب میں چودھویں صدی عیسوی کا

مشاہدہ بیان کرتا ہے کہ الشتر ـــــــــــــ میں ایک قدیم آتشکدہ ہے جس کا نام اروھش ہے ...... تشتر کے قریب پرانے قلعے ہیں جن میں سے ایک کا نام آتش گاہ (آتشکدہ) ہے ...... مقدسی کا بیان ہے کہ آتش پرست یہود و نصاریٰ کی طرح اہل کتاب کے حقوق رکھتے ہیں"۔

پروفیسر براون

اب ذرا ایران کی قوم اور علوم کے مسلّم الثبوت شیدائی پروفیسر براون صاحب کی زبان سے بھی پارسیوں کے ساتھ عربوں کے برتاؤ کا حال سُن لیجیے۔ وہ اپنی مشہور تصنیف "تاریخ علوم ایران" میں فرماتے ہیں:۔

"اکثر کہا جاتا ہے کہ غازیان اسلام دو چیزیں پیش کیا کرتے تھے کہ ان میں سے کوئی ایک اختیار کرلو۔ قرآن، یا تلوار۔ مگر حقیقت یہ نہ تھی۔ مجوسیوں، عیسائیوں اور یہودیوں سب کو اپنے اپنے دین پر قائم رہنے کی آزادی تھی۔ صرف جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا جو بالکل منصفانہ انتظام تھا، کیونکہ خلفا کی غیر مسلم رعایا قانوناً فوجی خدمت اور ادائے صدقات سے بری تھی مگر مسلمانوں پر دونوں چیزیں لابدّا فرض تھیں ...... بحرین میں پارسی مرزبان اور اس کے کچھ ہموطن مسلمان ہوگئے اور باقی فی مرد بالغ ایک دینار جزیہ قبول کرکے اپنے دین زرتشتی پر قائم رہے۔ مجوسی اور یہودی اسلام کے سخت دشمن تھے اور جزیہ دینے کو ترجیح دیتے تھے ....

"جو شہر مسلمانوں کی مدافعت میں زیادہ مزاحم ہوتے۔ خصوصاً وہ شہر جو ایک دفعہ ہتھیار ڈال دینے کے بعد دوبارہ بغاوت کر بیٹھتے۔ ان کا بچنا آسان نہ تھا۔ بالخصوص، اگر اللہ کو عورت میں قابل جنگ مرد یا کم از کم مسلح پائے جاتے۔ تہ تیغ کر دیے جاتے اور ان کی

عورتیں اور بچے اسیر کر لیے جاتے تھے۔ تاہم یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مجوسیوں پر مجوسی ہونے کی بنا پر کوئی ظلم کیا گیا ہو یا ایران کو بزور مسلمان بنایا گیا ہو ۔۔۔۔۔۔ اس میں شک نہیں کہ عرب میں نو مسلم اور اسیر جنگ ایرانیوں کے غیر محدود ہجوم نے حضرت عمرؓ کو کچھ متفکر کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا تھا کہ "الٰہی ان اسیران جلولہ کی اولاد سے تیری پناہ!" اور درحقیقت واقعات نے آپ کے تردد کو بجا ثابت کر دیا۔ آپ انھیں ایرانی اسیروں میں سے ایک کے خنجر سے شہید ہوئے جسے عرب ابولولو کہتے تھے۔ ایران کے زیادہ متعصب شیعی آج تک اسی حادثہ کو مسرت کے ساتھ یاد کیا کرتے ہیں اور کچھ ہی عرصہ ہوا کہ "عمر کشاں" کے نام سے آپ کی برسی منایا کرتے تھے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اب دین زرتشتی اگرچہ دین سلطانی کے رتبہ سے تو گر گیا تاہم ایران سے بالکل نہ مٹا۔ جن لوگوں نے دین اسلام قبول نہ کیا اور اپنے آبائی مذہب مجوسیت پر قائم رہے ان کی تعداد صرف اُن تارکان وطن ہی تک محدود نہ تھی جو عرب حملوں سے پہلے جزائر خلیج فارس کو اور وہاں سے ہندوستان بھاگ آئے جہاں انھوں نے پارسی نوآبادیاں قائم کر لیں جو اب تک بمبئی اور سورت میں اور انکے آس پاس موجود ہیں بلکہ یہ جماعت تو مجموعی پارسی آبادی کا ایک جزو قلیل تھی ۔۔۔۔۔۔۔ موبدوں کا اثر اور احترام ایک مدت تک قائم تھا۔ عہد خلافت میں انکے تعلقات اچھے تھے پارسیوں کو ایک حد تک حکومت خود اختیاری حاصل تھی آتشکدوں کو ایسی حالت میں بھی جب انکے انہدام کا قانوناً اعلان کر دیا جاتا تھا عملاً شاذ و نادر ہی صدمہ پہنچایا جاتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات مسلمان حکام کو ایسے لوگوں کو سخت سزائیں دیتے تھے جو نامعقول جوش دینی میں آتشکدوں کو کوئی نقصان پہنچا دیتے یا برباد کر دیتے تھے۔ فتح ایران کے بعد تین صدیوں تک قریب قریب ہر صوبہ ایران میں آتشکدے موجود تھے۔ حالانکہ آجکل ہوٹم شینڈلر کے باعزم و احتیاط شمار کے مطابق ایران کے تمام آتش پرستوں کی مجموعی آبادی صرف ساڑھے آٹھ ہزار کے قریب پہنچتی ہے۔

تصحیح اغلاط فاحش

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
عنوان		سلام	اسلام
۴	۳	رضاعلی	رضاقلی
۴	آخر	جانوروں	جانوں
۸	۸	پاتیا	پارتھیا
۹	۱۴	کونان	کو یونان
۱۷	۷	دوسری	دوسری کو
۱۹	۹	وغیرہ	وغیر
۲۰	۹	ارمی	کہ ارامی
۲۲	۳	سنہ ۱۰۶۶	سنہ ۱۰۶۶ء
۲۳	۳	مللوک	ملوک
۲۴	۱۲	عادی	حاوی
۲۴	۱۳	گیلن	جالینوس
۳۲	۶	چلواصاف	چلو، صاف
۴۱	۴	دخل ہے	دخل ؟
۴۴	۶	پیشدادی	کیانی
۴۸	آخر	کہانیوں چنداں	کہانیوں میں چنداں
۶۰	۷	اسی	اس
۶۰	۱۷	حکام کو ایسے	حکام ایسے

دیگر کتب مؤلف

معتقداتِ عجم

عہد زرتشت سے لیکر موجودہ صدی تک ایران کے عقائد مذہبی کی جامع تاریخ جس میں مستقل مذاہب کے علاوہ اُن مدعیانِ نبوت والوہیت کے حالات اور عقائد سے بحث کی گئی ہے جو اسلام کی نقاب میں ظاہر ہوکر اسلامی حکومت واقتدار کی بیخکنی کے ساعی رہے اور جن کے عقائد کی جھلک موجودہ اسلام میں موجود ہے۔ ... ... قیمت فی جلد عـہ

وکلائے مرافعہ

ایران کے موجودہ روزمرہ میں مرزا جعفر قراجہ داغی کا جدید فارسی ڈراما، جو ہندوستان میں پہلی مرتبہ طبع کیا گیا۔ مع حواشی حل لغات ومحاورات جدیدہ ومقدمہ از پروفیسر محمد مسلم قیمت ۸

ملنے کا پتہ:-

(۱) پروفیسر محمد مسلم ایم۔اے، ایم۔او۔ایل سینٹ کولمباز کالج ہزاری باغ (بہار)

(۲) منیجر الناظر بک ایجنسی۔ لکھنؤ۔

(۳) منیجر مسلم یونیورسٹی بک ڈپو۔ علی گڑھ

مؤلف نے "مطبع جامعہ ملیہ" صدر بازار دہلی سے باہتمام مسٹر محمد مجیب بی۔اے آکسن طبع کراکے شائع کیا